

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224709

UNIVERSAL
LIBRARY

دستورِ اہلین

حصہ اول

اصول تربیت

از مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب

انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ شریف

۱۹۰۳ء

منشی محمد بلال کرم بخش مالکان مطبع کے اہتمام سے

بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ (انبالہ) میں چھپی

معذرت

یہ کتاب نہایت جلدی میں طبع ہوئی ہے اور صفت کو نہ اس کی کاپی دیکھنے کا موقع ملا
دیکھنے کا اس لئے اس میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ناظرین سے انتہاس ہے کہ اس کتاب کو
پہلے اس کی غلطیاں کو درست کر لیں۔ ضروری غلطیوں کی اصلاح ذیل میں درج کر دی

موحوت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	آخر	۱۰۰	۱۱۰	۲۵	۱۳	ساجائے	اسی
۴	۱۴	ناواقف	ناواقفیت	۲۸	۱۱	تصوری	۴۸
۱۲	۱۱	بالخصوص	بالخصوص	۵۲	۱۳	توت کے	اس
۱۳	۱۴	بے پروائی	بے پروا	۵۹	۱۳	ضمیمہ	۵۹
۱۴	۱۹	کہ	(اس لفظ کو کاٹ کر)	۶۱	۲	تشییم	۶۱
۱۵	۹	تخریص	تخریص	۶۶	۶	کاشتق بیجو	۶۶
۱۹	۱۰	کیس	کیس	۶۷	۱۱	ہب	۶۷
۲۲	۷	برعکس	برعکس	۶۹	۱۴	کرنا	۶۹
۲۲	۱۸	نفس	نفس	۷۵	۲۸	غیرین	۷۵
۲۳	۱۰	برابرین	برابرین	۸۵	۸	کہ جیسے	۸۵
۲۸	۱۶	صحت میں جہانی	صحت جہانی میں	۹۰	۱۳	رکھنا	۹۰
۲۸	۲۰	سعلم کو	سعلم	۹۱	۱۵	بہی	۹۱
۳۰	۱۱	ترتیب	ترتیب	۹۶	۱۹	اجازت دیجائے	۹۶
۳۰	۲۰	کیجاتی ہے	کیجاتی ہے	۹۸	۲۱	اطاعت تربیت	۹۸
۳۴	۲۱	کبھی کبھی	کبھی کبھی			کا ابتدائی زمینہ پر	کا ابتدائی
۳۸	۲۱	داوان ڈول	ڈانوا ڈول	۱۱۱	۱۳	چاہئے	۱۱۱
۴۳	۵	ٹھوس	ٹھوس	۱۰۷	۶۵۵	پیس آئے	۶۵۵
۴۴	۲	بات کا	بات کے				
۴۴	۱۹	خیات	خیالات	۱۰۹	۷	استاد کو اس	۱۰۹

فہرست مضامین

دستور المعلمین حصہ اول

دفعات دیباچہ صفحات

۱	مقدمہ - تربیت کے عام اصول	۱۶ - ۱
۱۷	باب اول - تربیت جسمانی	۲۸ - ۱۷
۱۷	فصل اول - جسمانی تربیت کے مقاصد	۱۷ - ۱۹
۱۹	فصل دوم - صحت کا قائم رکھنا	۲۰ - ۲۲
۲۲	فصل سوم - مختلف ایات - بابت صحت طلبہ	۲۳ - ۲۸
۲۹	باب دوم - تربیت عقلی	۲۹ - ۵۵
۲۹	فصل اول - تربیت عقلی کے مقاصد	۲۹ - ۳۰
۳۱	فصل دوم - قوت مددگار	۳۱ - ۳۸
۴۱	فصل سوم - قوت حافظہ	۳۹ - ۴۳
۴۴	فصل چہارم - قوت متخیلہ	۴۴ - ۴۶
۵۰	فصل پنجم - قوت عقل	۴۶ - ۵۵
۵۹	باب سوم - تربیت اخلاقی	۵۹ - ۱۰۰
۵۹	فصل اول - تربیت اخلاقی کے مقاصد	۵۹ - ۵۹

صفحات

دفعات

۶۲	 فصل دوم - تاثرات	۶۱-۵۸
۶۶	 فصل سوم - عادات	۶۲-۶۱
۷۰	 فصل چهارم - قوت ارادی	۶۵-۶۴
۷۲	 فصل پنجم - عقل اخلاقی	۶۶-۶۵
۷۶	 فصل ششم - فضائل اخلاق	۶۸-۶۵
۷۷	 اول - راستی	۶۹-۶۸
۸۲	 دوم - عدل	۷۰-۶۹
۸۹	 سوم - مهربانی	۷۱-۷۰
۹۲	 چهارم - حیا	۷۲-۷۱
۹۴	 پنجم - محنت	۷۴-۷۳
۹۸	 ششم - اطاعت و آزادی	۷۶-۷۵
۱۰۱	 هفتم - اعتدال	۷۸-۷۷
۱۰۴	 فصل هفتم - رذائل مزاج	۸۰-۷۹
۱۰۵	 (۱) ضد	۸۱
۱۰۷	 (۲) شکایت	۸۳
۱۰۹	 (۳) زود ریختی	۸۵
۱۱۰	 (۴) غنذب	۸۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دِیباچہ

دستورِ معلمین کا تیسرا حصہ فنِ تعلیمِ شائع میں شائع ہوا تھا جو اب سب فروخت ہو چکا ہے۔ میں سرشتہ تعلیم اور پاک کی اُسی قدر دانی کی وجہ سے یہ پہلا حصہ بھی جو فی نفسہ بہت ضروری ہے مکمل کر کے شائع کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ حصہ معلمین کے واسطے ہے لیکن درحقیقت یہ ایک علمی اور فلسفی اور اخلاقی خمیت بھی رکھتا ہے۔ اور اس لئے نہ صرف معلمین کے لئے بلکہ طلباء کے والدین اور جملہ شائقین علم کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

اس حصے کا مقدمہ شائع میں رسالہ معارف میں چھپ چکا ہے اب ترمیم اور اضافہ کے ساتھ چھاپا جاتا ہے۔

حصہ سابق فنِ تعلیم کے متعلق میرا فرض ہے کہ خاص کر

جناب ڈاکٹر سرشتہ تعلیم پٹیالے کا شکریہ ادا کروں کہ

صاحب موصوف نے بلا تعارف یا سفارش کے محض قدر دانی فن

کے باعث فنِ تعلیم کی ایک ایک کاپی کا خریدنا جملہ مدرسین

پر لازم قرار دیا۔ نیز آئینل نواب عماد الملک بہادر ناظم تعلیمات سرکار

آصفیہ اور شمس العلما خان بہادر مولوی ذکار اللہ صاحب فیلو ال

آباد یونیورسٹی کا شکریہ ادا کرنا بھی لازم ہے کہ ہر دو فضلاء

ممدوح نے جن کا تجربہ تعلیمی نہایت وسیع ہے اُس حصے کی بابت
بہت عمدہ رائے ظاہر کی +

اب اس کتاب کا حصہ دوم بابت نظم و نسق مدرسہ باقی
ہے۔ اور نیز حصہ سوم فن تعلیم کا دوسرا جزو جس میں مختلف
مضامین کی تعلیم کا طریقہ بیان ہوگا۔ اگر اس حصہ کو تعلیمی پبلک
نے پسند کیا تو وہ بھی جلد شائع ہوں گے +

غلام احسنین } یکم اپریل ۱۹۱۲ء
منعزم صدر ہتم تعلیمات صوبہ گلبرگہ }

مقدمہ

تربیت کے عام اصول

۱۔ تعلیم و تربیت | تعلیم اور تربیت کا مفہوم (جیسا کہ بعض اوقات غلطی سے سمجھا جاتا ہے) واحد نہیں ہے۔ تعلیم کے معنی ہیں علم کا سکھانا، معلومات یا واقفیت کا بڑھانا۔ اور تربیت کے معنی ہیں پرورش کرنا اور ترقی دینا مگر اصطلاح میں +

(۱) تعلیم اُس کام کو کہتے ہیں۔ جس کے ذریعے سے ہم کو کسی خاص علم و فن، یا کسی خاص پیشے میں واقفیت یا لیاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور (۲) تربیت وہ شے ہے جس سے مختلف قولے انسانی نشو و نما پاتے اور ترقی کرتے ہیں +

مثالیں (۱) اگر کوئی شخص ورزش کے قاصدے جانتا ہو، تو ہم کہیں گے کہ اُس نے ایک فن کی تعلیم پائی ہے۔ لیکن اگر باوجود اس واقفیت کے وہ ورزش بھی کرتا ہو تو اُس وقت ہم کہیں گے کہ اُس کو تربیت بھی ہوئی ہے +

(۲) اشیاء کے سبقوں میں اگر اشیاء کے خواص اور اُن کے فوائد سے طلباء واقفیت حاصل کریں تو ہم کہیں گے کہ اُن کو

تعلیم ہوئی اور چیزوں کے دیکھنے بھالنے میں جس وقت اُن کی قوت ادراک اور حواس غصہ کو ترقی ہوا تو ہم کہیں گے کہ اُن کو تربیت بھی ہوئی +

(۳) اگر بچوں کو سچ بولنے کے فائدے بتائے جائیں اور وہ اُن کو بخوبی سمجھ لیں تو اُس کو ہم تعلیم کہتے ہیں۔ لیکن جس وقت وہ سچ بولنا اختیار کریں اُس وقت ہم کہیں گے کہ اُنہوں نے تربیت بھی پائی ہے۔ تعلیم سے ہماری معلومات بڑھتی ہے۔ اور تھوڑی بہت لیاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ تربیت سے اُن قوتوں کی ترقی ہوتی ہے۔ جن کے ذریعے سے معلومات بڑھتی ہے۔ تعلیم سے صرف واقفیت بڑھتی اور علم حاصل ہوتا ہے۔ تربیت سے اُس علم حاصل شدہ کو کام میں لانا اور اپنی لیاقت سے بے تکلف کام لینا آجاتا ہے۔ تعلیم سے کسی ہنر یا پیشہ میں دسترس حاصل ہوتی ہے۔ تربیت سے ہم کو وہ عام اصول معلوم ہو جاتے ہیں۔ جو زندگی کی ہر حالت اور ہر پیشے میں کارآمد ہوتے ہیں۔ تعلیم و تربیت اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تاہم دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر تعلیم نہ ہوئی یعنی ہماری معلومات اور واقفیت زیادہ نہ ہوئی تو ہمارے قولے عقلیہ کی مشق اور اُن کی ترقی یعنی تربیت کیونکر ہوگی؟ -

اور اگر تعلیم ہوئی اور ہم کو اپنے علم سے کام لینا نہ آیا یعنی تربیت نہ ہوئی تو اُس علم سے کیا فائدہ؟ اس بیان سے ظاہر ہے کہ تربیت تمام تعلیم ہے۔ یعنی کوئی تعلیم بغیر تربیت کے پوری نہیں ہو سکتی اور یہ کہ تربیت میں تعلیم داخل ہے +

۲۔ اسباب تربیت اس سے ہماری مراد وہ وسائل ہیں جن سے انسان

کی تربیت ہوتی ہے۔ یہ اسباب دو قسم کے ہیں :- اضطراری (غیر ارادی) اختیاری (ارادی)

(۱) اضطراری اسباب۔ جن سے انسان کی تربیت خود بخود جلا ارادہ ہوتی رہتی ہے۔ وہ اسباب یہ ہیں :-

قدرت جو ابتدا ہی سے مختلف چیزیں دکھا کر ہماری تربیت شروع کر دیتی ہے۔ اور غور سے دیکھنے بھالنے کی عادت پیدا کرتی ہے +
صحبت یعنی لوگوں سے ملنا جلتنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا +

کتابیں پڑھ کر یا دنیا کے کاروبار میں پسندیدہ تجربہ حاصل کرنا وغیرہ

(۲) اختیاری اسباب۔ جن سے بالخصوص کسی خاص طریق پر کاربند ہو کر تربیت کی جاتی ہے تربیت کے ارادی اسباب یا تو ہمارے والدین اور معلم استعمال کرتے ہیں یا ہم خود استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے تربیت کے متعلق والدین۔ معلم اور معلم کے فرایض سے واقف ہونا ضروری ہے

۳۔ فرایض والدین بچے کی تربیت کے والدین اور معلم دونوں ذمہ دار ہیں۔ مگر والدین کی ذمہ داری معلم کی نسبت زیادہ ہے۔ اس ملک میں اکثر والدین تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنے فرایض سے بہت کم واقف ہیں۔ اولاد کی تربیت کے بارہ میں والدین کے فرایض حسب ذیل ہیں :-

(۱) بچے کی قوت گویائی بڑھائیں اور جو چیزیں وہ اپنے ارد گرد دیکھتا ہے ان کے نام بتائیں۔ اور ان پر اس کو اپنی عقل لگانا سکھائیں اور اس طرح اس کے سرمایہ الفاظ اور معلومات کو ترقی دیں +

(۲) اُس کے چال چلن کا پورا پورا خیال رکھیں۔ اُس کے دل میں عمدہ خیالات اور نیک عادات کا بیج بوئیں اس لئے ضرور ہے کہ والدین اُس کو زبانی نصیحت و تلقین کریں۔ بُری حرکتوں سے روکتے رہیں۔ اگر بچپن ہی میں روک تھام نہ ہو تو بُری عادتیں رفتہ رفتہ مستحکم ہو جائیں گی۔ اور بعد میں اُن کا چھڑانا سخت دشوار ہو جائیگا اس کے علاوہ خود والدین کا نیک چلن ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ چال چلن زیادہ تر اپنے سے بڑوں کی تقلید کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو عادتیں والدین میں ہوں گی بچہ بھی عموماً اُنہیں کو اختیار کرے گا۔

(۳) جب بچہ مدرسہ میں داخل ہو جائے تو جو تربیت اُس نے وہاں حاصل کی ہے۔ اُس کو کامل اور پختہ بنانے کی کوشش کریں۔ ورنہ جیسا آج کل دیکھا جاتا ہے مدرسہ کی تربیت کا اثر بہت کم باقی رہیگا والدین کا یہ خیال ”جب بچہ مدرسہ میں داخل ہو گیا تو ہم اپنے فرض تربیت سے شکدوش ہو گئے“ محض غلط ہے +

(۴) بچے کی خوراک۔ لباس اور صحت کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ والدین اس فرض کے بجا لانے میں اپنی طبعی محبت کی وجہ سے تا بمقدور کوئی کمی نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ بعض والدین صرف اسی بات کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ گو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے وہ اِس کو بھی پورا پورا ادا نہ کر سکتے ہوں مگر اس مطلب کے لئے اُن کو اُصول صحت سے عام واقفیت حاصل کرنی چاہئے +

۴۔ فرائض مُعَلِّم و مُتَعَلِّم جو شخص دوسروں کو علم سکھائے۔ اُس کو مُعَلِّم یا اُستاد اور علم سیکھنے والے کو مُتَعَلِّم یا شاگرد کہتے ہیں۔ والدین کے فرض

بیان ہو چکے۔ اب ہم مُعَلِّم اور مُتَعَلِّم کے فرائض مُجداً بیان کریں گے۔
فرائض مُعَلِّم یہ ہیں :-

(۱) بچے نے جو تربیت گھر میں پائی ہے اُس کو مُنچتہ اور مُکمل بنانے اور ترقی دے اور طلباء کو باہمی تعلقات میں جن فضائل اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے اُن کی عادت ڈلوایے بچے میں نیک عادتیں پیدا کرنے اور بد عادتوں کے چھڑانے کا اُستاد کو بہت زیادہ موقع ملتا ہے اور بچوں کے یاہی میل جول کی وجہ سے یہ مقصد آسانی حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲) اگر بچے کو گھر میں کچھ تربیت نہیں ہوئی یا جیسی چاہئے ویسی نہیں ہوئی تو اُستاد کا فرض ہے کہ حتی الامکان اس نقصان کا تدارک اور بچے کی اصلاح کرے۔ اگرچہ کچھ شک نہیں کہ ایسی حالت میں اُستاد کو بہت زیادہ دقت اُٹھانی پڑے گی۔

(۳) بچوں کو ابتدائی مضامین (حساب - لکھنا پڑھنا وغیرہ) کی تعلیم دے اور ساتھ ساتھ اُن کے قوائے عقلیہ کی بھی تربیت کرے مثلاً حساب کی تعلیم میں توجہ اور قوت استدلال کو ترقی دینا۔

(۴) سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ بچوں کے دلوں میں علم کا شوق پیدا کرے تاکہ وہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد بھی مختلف قسم کی کتابیں پڑھ کر اپنی تربیت خود کرتے رہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ طالب علم اپنے زمانہ طالب علمی میں تو کتاب کے کیڑے بنے رہتے ہیں۔ مگر کسی نوکری یا پیشے میں مصروف ہونے کے بعد کتابوں کو طاقِ نسیاں میں رکھ کر مطالعہ کو خیر باد کہہ کر سارا پڑھا بکھا دیتے ہیں۔ یعنی علم کو صرف تحصیل

معاشر کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اُستاد کو اس بے بنیاد خیال کی عقلی خوب طرح طلباء کے ذہن نشین کر دینی چاہئے +

فرائض متعلم یہ ہیں :-

(۱) اپنی تربیت آپ کر کے۔ یعنی جو کچھ اُس نے سیکھا ہے اُس کو ترقی دے اور اپنے مبلغ استعداد تک پہنچنے کی کوشش کرے۔
(۲) اپنے چال چلن کو کامل بنائے اور اپنے لئے ایک دستیار اصل قرار دے کر عمر بھر اس پر کار بند رہے تاکہ اُس کی زندگی لطف کے ساتھ بسر ہو، کیونکہ سچی خوشی نیک ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔
(۳) ورزش وغیرہ کے ذریعے سے اپنی صحت جسمانی کا بھی لحاظ رکھے

۵۔ قوائے انسانی

اس لئے انسانی قوتیں سے واقف ہونا ضروری ہے، اگر اول یہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کسے کہتے ہیں۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) جسم (۲) روح یا نفس ناطقہ یعنی وہ شے جو اُس کے اندر بولتی ہے۔ اس لئے انسان میں دو طرح کی قوتیں ہیں۔
جسمانی اور عقلی۔ قوائے جسمانی سے دل و دماغ وغیرہ اعضاء بدنی کی قوتیں مراد ہیں۔ جن کے باقاعدہ عمل سے صحت قائم رہتی ہے اُن کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں البتہ قوائے عقلی کا بیان کرنا ضروری ہے +

۶۔ قوائے عقلی

نفس کی قوتوں کا حال بیان کرنے سے پہلے یہ جانتا چاہئے کہ نفس کیا چیز ہے ؟ +
ہر شخص کو اپنی ہستی کا یقین ہے اور وہ اپنے تئیں دوسری

چیزوں سے تیز کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ ”میں آتا ہوں۔“ ”میں پڑھتا ہوں۔“ اس میں کامصداق ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ”میرا ہاتھ۔“ ”میرا پاؤں“ وغیرہ پس ثابت ہوا کہ کوئی ایسی ہستی ہے جس سے تمام افعال انسانی سرزد ہوتے ہیں۔ اسی کو نفس انسانی یا نفسِ ملاحظہ کہتے ہیں ہم نفس کے تمام افعال کو تین قسموں میں منقسم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان کو یا تو کسی چیز کا محض علم ہوتا ہے یا رنج و راحت وغیرہ کا احساس ہوتا ہے۔ یا وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پس نفس وہ جو ہر یا قوت ہے جس کے ذریعے سے ہم معلوم بکرتے ہیں محسوس کرتے ہیں یا خواہش و ارادہ کرتے ہیں +

چونکہ افعال انسانی تین قسموں سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے نفس کی بھی تین بڑی قوتیں ہیں :- قوتِ تعلّم۔ قوتِ تاثر۔ قوتِ ارادہ (۱)۔ قوتِ تعلّم۔ اس قوت کے ذریعے سے نفس کو کسی چیز کا محض علم ہوتا ہے +

(۲) قوتِ تاثر۔ اس قوت سے نفس رنج و راحت و دیگر کیفیات کو محسوس کرتا ہے +

(۳) قوتِ ارادہ۔ اس قوت کی بدولت نفس سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ قوت ہمارے جسمانی اور نفسانی افعال

۱۔ قوتِ تمنا (خواہش) بھی قوتِ ارادہ کی ایک قسم ہے۔ تمنا میں یہ بات ہوتی ہے کہ نفس اپنی ذات کے اندر کوئی کمی محسوس کرتا ہے اور اُس کو پورا کرنے کی رغبت یا میلان ظاہر کرتا ہے + مصنف -

کی حاکم ہے۔ اب ہم ان قوتوں کو ایک مثال کے ذریعے سے سمجھاتے ہیں *

فرض کرو کہ ہم نے کسی باغ میں ایک خوبصورت پھول بکھلا ہوا دیکھا۔ اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوئی اور ہم اُس کو توڑنے کے لئے پڑے۔ اس مثال میں پھول کا علم، قوتِ تعلیم کا فعل ہے۔ خوشی کا حاصل ہونا۔ قوتِ تاثر کا اثر ہے اور پھول کی طرف چلنا قوتِ ارادہ کا نتیجہ ہے۔ یاد رہے کہ قوتِ ارادہ کا فعل ہمیشہ کسی تاثر کی تحریک کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ ہر ارادہ کا فعل خواہ مخواہ ظاہر ہوا کرے ممکن ہے کہ ایک تاثر دوسرے تاثر کو زائل کر دے۔ چنانچہ مثال مذکور میں جو خوشی ہم کو پھول کے دیکھنے سے حاصل ہوئی پھول کے توڑنے کی محرک ہوئی۔ اب فرض کرو کہ ہم پھول تک نہ پہنچے بلکہ رستے ہی سے لوٹ آئے اس کے یہی معنی ہیں کہ ایک تاثر نے دوسرے تاثر کو ہمارے دل سے محو کر دیا ممکن ہے کہ ہمارے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ غیر کی ملک میں تصرف کرنا بڑی بات ہے خداے حاضر و ناظر ہم کو دیکھتا ہے یا شاید یہ خیال دل میں پیدا ہوا ہو کہ کہیں باغ کا مالک آ جائے تو ہم کو ناحق شرمندگی ہوگی۔ اس دوسرے تاثر نے پہلے تاثر کو مغلوب کر لیا اسی طرح ہم اکثر ایک کام کا ارادہ کرتے ہیں پھر وہ ارادہ فسخ ہو جاتا ہے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ ایک تاثر دوسرے تاثر پر غالب آ جاتا ہے *

۷۔ قوتِ تعلیم کی قسمیں | اس قوت میں چار قوتیں شامل ہیں *

(۱) قوتِ مُدرکہ اس قوت سے بذریعہ حواس کے اشیائے خارجیہ کا علم حاصل ہوتا ہے +

(۲) قوتِ حافظہ - یہ قوت نفس میں حاصل کردہ علم کو حفاظت کے ساتھ جمع رکھتی ہے اور ضرورت کے وقت اُس کو حاضر کر دیتی ہے +
(۳) قوتِ تخیلہ - یہ وہ قوت ہے جس سے نفس معلوماتِ حال کردہ کو نئی ترتیب دے کر اُسی قسم کی یا بالکل نئی صورتیں پیدا کر لیتا ہے +

(۴) قوتِ عقل - اس قوت کے ذریعہ سے نفس معلومات پر احکام لگانا اور نا معلوم نتائج نکالنا ہے +

اب ہم ان قوتوں کی ایک مثال دے کر ذہن نشین کرتے ہیں فرض کرو کہ ہم نے گلاب کا پھول دیکھا اور دیکھنے چھونے اور سونگھنے سے یہ معلوم کیا کہ وہ سرخ نرم اور خوشبو دار ہے یہ علم ہم کو قوتِ مُدرکہ کے ذریعے سے حاصل ہوا اب فرض کرو کہ گلاب کا پھول ہمارے سامنے موجود نہیں ہے مگر تاہم اس کے سرخ - نرم اور خوشبو دار ہونے کا علم ہمارے ذہن میں محفوظ ہے - یہ کام قوتِ حافظہ کا ہے - ہم اکثر چیزوں کو جو ہم نے کبھی دیکھی ہیں اپنے حافظہ کے ذریعہ سے اپنے ذہن میں لاتے ہیں - اور اُن پر یہ بھیت

مجموعی یا اُن کے اجزا پر اپنا تصور جمانے ہیں - بعض مصور ایسی چیزوں کی تصویریں کھینچتے ہیں - جن کا کہیں وجود نہیں ہوتا - مثلاً ایسے جاندار کی تصویر جس کا آدھا دھڑ انسان کا ہو اور آدھا حیوان کا - ایسی تصویریں اسکے اجزا اشیائے خارجیہ میں موجود ہوتے ہیں مگر موصوّر

اُن کو اپنے خیال میں نئی ترتیب دے کر جدید مرکبات بنالیتے ہیں یہ سب قوت متخیلہ کا عمل ہے۔ اب فرض کرو کہ ہم نے ایک کاغذ کے ٹکڑے کی نسبت کہا کہ ”یہ کاغذ زرد ہے“ اس صورت میں ہم نے کاغذ کا شاہدہ کیا اور پھر جو زرد چیزیں ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اُن کے ساتھ اُس کا مقابلہ کر کے یہ حکم لگایا کہ یہ کاغذ زرد ہے یا ہم کو مثلاً معلوم ہے کہ ۱ = ب کے اور ب = ج کے تو اس سے ہم یہ نتیجہ نکالیں گے کہ ۱ = ج کے اس قسم کے احکام لگانا اور نتائج نکالنا قوت عقل کا کام ہے +

۸۔ تربیت کی قسمیں | جن قوائے عقلیہ (قوت تعلیم۔ قوت تاثر۔

قوت ارادہ) کی تربیت کرنی ہے۔ اُن کا بیان ہم نے بعمل طور پر کر دیا چونکہ تربیت سے یہی غرض ہے کہ انسان درجہ کمال انسانی پر پہنچ جائے اس لئے جملہ قوائے انسانی کی تربیت کرنی لازم ہے اب جاننا چاہئے کہ قوائے جسمانی کے باقاعدہ ترقی دینے اور سدھانے کو تربیت جسمانی اور قوت تعلیم (دُور کر۔ حاطہ۔ متخیلہ۔ اور عقل) کے باقاعدہ سدھانے اور ترقی دینے کو تربیت عقلی کہتے ہیں اسی طرح قوت تاثر اور قوت ارادہ کو درجہ کمال پر پہنچانا تربیت اخلاقی کہلاتا ہے۔ تربیت کی ان تینوں قسموں کا بیان اگلے تین بابوں میں لکھا جائے گا اور ساتھ ہی مختلف قوائے انسانی کا مفصل بیان ہوگا

۹۔ قوانین تربیت | تربیت کا بیان شروع کرنے سے پہلے مناسب

ہے کہ نفس انسانی کے چند قوانین کا مجملہ ذکر کیا جاوے جن کے موافق تربیت کرنے سے انسان کی جسمانی و روحانی قوتیں اپنے اپنے

درجہ کمال تک پہنچ سکتی ہیں۔ یہ قوانین حسب ذیل ہیں:-

(۱) قانون استعداد قبولیت -

(۲) قانون مشق -

(۳) قانون عادت -

(۴) قانون موازنہ -

(۵) قانون تشخص -

(۶) قانون محنت و نفس کشی -

(۷) قانون اتفاق و اتحاد -

۱۰۔ قانون استعداد قبولیت [بچے کی طبیعت میں ہر بات کے قبول کرنے

کی قابلیت ہوتی ہے۔ اس لئے جس قسم کی تربیت کرنی منظور ہے۔

شروع ہی سے کرنی چاہئے۔ ابتدائی تربیت اول تو آسانی سے

ہو سکتی ہے۔ دوسرے مثبت زیادہ پُر زور ہوتی ہے۔ اُس کا

اثر طبیعت میں تمام عمر قائم رہتا ہے۔ بچپن کی باتیں پتھر کی پھر

ہو جاتی ہیں۔ بڑے ہو کر طبیعت سخت ہو جاتی ہے۔ دل میں

طرح طرح کے شک پیدا ہو جاتے ہیں مشکلات کا مقابلہ ناگوار

اور قدیم عادتوں کا چھوڑنا دشوار ہو جاتا ہے۔ غرض ابتدا میں بچے

کی حالت گیلی لکڑی کی سی ہوتی ہے اُس کو جس طرف چاہیں مڑ

سکتے ہیں بعد میں یہ قابلیت نہیں رہتی ہے۔

چوب تر را چُناں کہ خواہی پیچ

نہ شود خُشک جُز نہ آتش رہت

۱۱۔ قانون مشق [انسان کی تمام قوتیں خواہ جسمانی ہوں خواہ عقلی

مشق سے نشوونما پاتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک قوت کی مشق بخوبی کرانی چاہئے مگر ایک قوت کی مشق دوسری قوت کی ترقی کے لئے کبھی کار آمد نہیں ہو سکتی۔ مثلاً جسمانی قوتیں صرف جسمانی ورزش کے ذریعے سے ترقی پاتی ہیں۔ قوت گویائی کی ترقی بولنے سے، قوت مشاہدہ کی ترقی بنور دیکھنے سے، قوت متخیلہ کی ترقی تصور کرنے سے، اسی طرح قوائے اخلاقی بھی خاص خاص قاعدوں پر عمل کرنے سے تربیت پاتے ہیں مگر مشق کی بھی ایک خاص حد مقرر کرنی چاہئے اس بات کی احتیاط قوائے جسمانی اور خاص کر قوائے عقلی کی مشق میں ضروری ہے۔ اگر اُن کی مشق ایک خاص حد سے بڑھ جائیگی تو سخت نقصان پہنچے گا۔ مثلاً جب قوائے عقلیہ کی مشق حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہے، اُس وقت جسمانی قوت اور بالخصوص دماغی طاقت میں زوال اور فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ قوائے اخلاقی سے جس قدر زیادہ کام لیا جائے اور جس قدر اُن کی مشق کرائی جائے اُسی قدر مفید ہے۔

۱۴۔ قانون عادت | کثرت مشق سے طبیعت کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے۔ کہ جو باتیں ہم کو نہایت ہی شکل اور نا پسندیدہ معلوم ہوتی تھیں وہ بھی رفتہ رفتہ آسان اور خوش گوار معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور اُن کے کئے بغیر رہنا نہیں جاتا۔ حکماً لے کہا ہے۔ العادة طبعیة ثانیة یعنی عادت دوسری فطرت بن جاتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جن امور کی بچے کو تعلیم دینا چاہیں اُن کی یہاں تک مشق کرائی جائے کہ اُس کو عادت ہو جائے۔ اور وہ ہر ایک کام

کو خود بخود اپنے دل کی اُٹنگ سے بغیر کسی دباؤ کے پورا کر سکے ۔

۱۳۔ قانون موازنہ اس کے یہ سنے ہیں کہ تینوں قسم کی تربیت

پہلو بہ پہلو ہونی چاہئے قوائے جسمانی و عقلی و اخلاقی کی نشوونما میں اُن کے باہمی تناسب اور قدرتی تعلق کا لحاظ رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ مثلاً قوائے عقلی کی تربیت کے خیال میں قوائے اخلاقی کی تربیت فوت ہو جائے یا قوائے اخلاقی کی تربیت کی جائے مگر قوائے جسمانی کی تربیت کو نظر انداز کر دیا جائے ۔

اکثر مدرسوں میں صرف قوائے عقلیہ کی ترقی کو تربیت کی علت غائی سمجھا جاتا ہے ۔ کیونکہ مُعَلِّم و مُتَعَلِّم دونوں اپنا ظاہری فائدہ اسی میں دیکھتے ہیں جسمانی اور اخلاقی تربیت پر برائے نام توجہ کرتے ہیں ۔ یہ بڑی غلطی ہے ۔ تربیت کا مقصد یہی ہے کہ ہر ایک قوت اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاوے ۔

۱۴۔ قانون تشخص سب بچوں کی جسمانی عقلی اور اخلاقی قابلیتیں یکساں نہیں ہوتی ہیں ایک کی خصلت اور عیب اور خوبیاں دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں مثلاً کوئی سُست اور کاہل ہے تو کوئی تیز اور طرار ۔ کوئی غافل اور بے پروائی ہے ۔ تو کوئی سختی اور خبردار ۔ کوئی مضبوط اور قوی ہے تو کوئی کمزور و ضعیف کوئی دیر ہے ۔ تو کوئی ڈرپوک ۔ کوئی سچ بولنے کی طرف رغبت ہے تو کوئی جھوٹ بولنے کی طرف مایل ۔ اس لئے مُعَلِّم کا فرض ہے کہ ہر ایک لڑکے کی استعداد اور قابلیت سے واقفیت

پیدا کرے اور اُسی کے موافق اس کو تربیت کرے جو عادتیں اُس میں عمدہ ہوں اُن کو پختہ بنائے۔ اور بُری عادتوں کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ جانوروں کی طرح سب بچوں کو ایک ٹھڑی ہانکنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ معلم بچے کی میلان طبع اور اُس کی ضرورتوں کو ایسی عمدگی کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا۔ جس طرح والدین سمجھ سکتے ہیں۔ تاہم اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالنا چاہئے۔ کہ معلم ان اپ شاپ تربیت کیا کرے بلکہ اُس کا فرض ہے کہ حتیٰ الامکان ہر ایک بچے کی طبیعت سے واقفیت پیدا کرنے کے بعد اُس کو تربیت کرے۔

۱۵۔ قانون محنت و نفس کشی | یہ ایک عام اور سچا مقولہ ہے۔ کہ ”علم کا راستہ کسی شاہ راہ پر ہو کر نہیں جاتا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تحصیل علم کی راہ ایسی آسان نہیں ہے۔ کہ آنکھیں بند کئے بلا تکلف منزل مقصود تک جا پہنچیں یہ راہ نہایت سخت اور دشوار گزار ہے۔ حصولِ علم کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ معلم اپنے شاگردوں کی محنت کو ہلکا تو کر سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں کر سکتا کہ اُن کے بدلے خود محنت اٹھائے اور اُن کو بالکل سبکدوش کر دے۔ اسی طرح تربیت اخلاق میں نفس کشی کی ضرورت ہے۔ نفس کشی سے ہماری مراد ہے۔ کہ ”نفس کو مارنا اور اپنی طبیعت پر جبر اٹھانا“ حقیقت میں نفس کا مارنا بڑی مردانگی کا کام ہے۔ بلکہ اصلی بہادری ہی ہے۔ ہر شخص کی طبیعت میں خود غرضی ہوتی ہے۔ نفس

کشتی ہی کی بدولت انسان خود غرضی کے دائرے سے نکل کر دوسروں کو فیض پہنچاتا ہے۔ پس مُعَلِّم کو لازم ہے کہ شروع ہی سے بچے کو محنت کے ڈھنگ پر ڈالے اور اس میں نفس کشی کی عادت پیدا کرے۔ مُعَلِّم تعلیم و تربیت میں اپنی کامیابی کا اندازہ اس بات سے کر سکتا ہے۔ کہ اُس کے شاگردوں نے محنت اور نفس کشی کہاں تک سیکھی ہے *

۱۶۔ قانون اتفاق و اتحاد | اس سے ہماری یہ مراد ہے کہ مُعَلِّم اور مُتَعَلِّم دونوں بلکہ کام میں مصروف ہوں۔ مُعَلِّم کا یہ کام ہے کہ مُتَعَلِّم کو کام کرنے کی تحریص و ترغیب دے۔ مُتَعَلِّم کا یہ کام ہے کہ کارِ مقررہ کو برضا و رغبت اور دل کی اُنگ کے ساتھ کرنے کو آمادہ رہے۔ چونکہ بچے کی طبیعت ابتدا میں کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے کچھ شک نہیں کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ دباؤ کی ضرورت پیش آئے گی مگر دباؤ کو ترغیب کے تابع رکھنا چاہئے بچوں پر ہر وقت دباؤ ڈالنا نہایت مُضر ہے۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اُن کے دلوں میں کام کرنے سے نفرت ہو جائے گی تعلیم و تربیت کی خوبی اسی میں ہے کہ بچے خود اپنے شوق سے کام کر کے لائیں اور اُن کو اپنے کام میں ایک طرح کا حظ آنے لگے۔ اس شوق کا پیدا کرنا مُعَلِّم کا فرض ہے۔ (دیکھو دفعہ ۴) اس کے وسائل یہ ہیں کہ مُعَلِّم طلبہ کا ہمدرد ہے اُن کا دل بڑھاتا رہے۔ اور اُن کی مشکلات کو رفع کرے *

اب ہم تربیت کی تینوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ تین بابوں
میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے *

باب اوّل

تربیت جسمانی فصل اوّل - جسمانی تربیت کے مقاصد

۱۷۔ تعریف اور غرض تربیت جسمانی سے یہ مراد ہے کہ ہمارے تمام اعضا اور قوائے جسمانی اپنا معمولی کام بخوبی انجام دینے کے لائق ہو جائیں اس سے ظاہر ہے کہ اس میں دو غرضیں شامل ہیں +

(۱) جسم میں صحت کا پیدا کرنا اور اُس کو قائم رکھنا۔

(۲) جسم کی طاقت اور چُستی کو ترقی دینا۔

ان دونوں غرضوں کا ماحصل یہ ہے کہ طلباء عقلی اور اخلاقی تربیت کے لئے تیار اور قابل ہو جائیں +

۱۸۔ جسمانی تربیت کی ضرورت عقلی اور اخلاقی تربیت کی نسبت جسمانی

تربیت کچھ کم ضروری نہیں ہے اگر جسم بیمار یا کمزور ہو تو نہ قوائے عقلی کی پوری تربیت ہو سکتی ہے اور نہ قوائے اخلاقی کی۔ بیمار اور کمزور آدمی کسی کام پر استقلال کے ساتھ محنت نہیں کر سکتا۔ اور نہ وہ اپنے جذبات پر غالب آ سکتا ہے اور نہ

اپنے فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتا ہے۔ غرض عقلی اور اخلاقی تربیت کی مضبوط بنیاد و جہانی تربیت ہی پر منحصر ہے۔ اس سے جہانی تربیت کی عظمت صاف ظاہر ہے۔

اگرچہ مُعَلِّم کا جہانی تربیت سے اتنا تعلق نہیں ہے۔ جتنا عقلی اور اخلاقی تربیت سے ہے تاہم تربیت کے اُس قدیم اُصول کو کہ نفس صحیح جسم صحیح میں رہتا ہے۔“ نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ چونکہ ہم کو انسان کی تربیت کرنی مقصود ہے۔ اور انسان جسم اور نفس دو چیزوں سے مرکب ہے اس لئے عقل اور اخلاق کی تربیت کے علاوہ جہانی تربیت بھی مُعَلِّم کا فرض ہے۔ پس اس کو ایسے اسباب اور وسائل ہم پہنچانے چاہئیں جن سے طلبہ کی جہانی صحت بنی رہے۔

۱۹۔ جہانی تربیت کے لئے کیا کیا علم درکار ہے اور پر کے بیان سے معلوم ہو کہ جہانی تربیت بھی معلم کا فرض ہے۔ اس لئے اس کو اُصول حفظانِ صحت سے کافی واقفیت ہونی چاہئے تاکہ طلبہ کی صحت کو قائم رکھ سکے اس کے سوا علم طب بھی کچھ نہ کچھ آنا چاہئے۔ تاکہ بچوں کی بیماریوں کو سمجھ سکے اور ہر ایک طالب علم سے ایسی ورزش کرائے۔ جس سے اُس کے قوائے پر زیادہ زور نہ پڑے۔ علم فریالوجی (یعنی جسم انسانی کی ساخت اعضاء اندرونی و بیرونی کے عمل اور طریق عمل۔ بالخصوص اعضاءِ رئیسہ۔ دل۔ دماغ۔ جگر۔ نظام اعصاب و شرایین۔ دوران خون وغیرہ امور سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہونی چاہئے۔

فصل دوم

صحت کا قائم رکھنا

۲۰۔ ضروریات صحت صحت کے واسطے مفصلہ ذیل چیزیں

ضروری ہیں :-
ہوا - پانی - غذا - لباس - نیند - ریاضت - ان میں سے ہر ایک کے متعلق ضروری ہدایتیں بھی جاتی ہیں +

۱۔ ہوا - ہوا دو بڑے جزوں سے مرکب ہے - آکسیجن اور نائٹروجن - سانس کے ذریعے سے آکسیجن پھیپھڑوں کے اندر جاتی اور جسم کے اندر جو غلیظ مادے ہیں ان کے ساتھ ملکر باہر نکلتی ہے - اس وقت اس کو کاربانک ایسڈ کہتے ہیں یہ ایک قسم کی زہریلی ہوا ہے - اور صحت کے لئے بہت مضر ہے - اس لئے سانس لینے کے لئے خالص اور تازہ ہوا کی بڑی ضرورت ہے - کثیف اور بدبودار ہوا میں سانس لینے سے بیمار ہو جاتے ہیں - اور رنگ پیلا پڑ جاتا ہے - پس مکافوں میں تازہ ہوا کی آمد و رفت کا کافی انتظام ہونا چاہئے جس مکان میں سیل ہو - اس کی ہوا بھی خراب ہو جاتی ہے - ایسا مکان رہنے کے لائق نہیں ہے غرض سیل اور غلاطت دونوں بیماری کی جڑ ہیں -

۲۔ پانی - پانی پینے کا ہو خواہ برتنے کا صاف ہونا چاہئے

اس میں کسی کی کثافت ملی ہوئی نہو۔ رنگ۔ بو۔ اور مزہ میں کچھ فرق نہ ہو۔ کشیف پانی پیٹ میں ہنکریا جلد سے چھو کر طح طح کی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ دیہات میں عموماً یہ خراب دستور ہے کہ جن تالابوں اور جوہڑوں میں لوگ مویشی کو نکالتے اور پانی پلاتے ہیں۔ اُنہی کا پانی آپ بھی استعمال کرتے ہیں یہ پانی نہایت مضر صحت ہے۔ اور ہرگز استعمال کے لائق نہیں +

۳۔ غذا۔ گوشت۔ خون۔ ہڈی۔ رگ۔ پٹھے سب غذا ہی سے بنتے ہیں۔ اس لئے غذا کا صحت بخش۔ مقوی اور زود ہضم ہونا نہایت ضروری ہے۔ کھانا بھوک کے موافق کھانا چاہئے اتنا نہ کھاؤ جس سے دُکھ پاؤ۔ ایک وقت بہت سا کھانا ہنہ اور صحت کے لئے مضر ہے۔ اس لئے کئی دفعہ تھوڑا تھوڑا کھانا بہتر ہے۔ خاص کر بچوں کے لئے +

۴۔ لباس۔ لباس موسم کے موافق ہونا چاہئے۔ جس سے جسم کو آرام ملے۔ سردی میں گرم اور گرمی میں ہلکے کپڑے پہننے چاہئیں۔ اس کے علاوہ کافی بھی ہونا چاہئے۔ یعنی سارا بدن اُس سے ڈھکا رہنا چاہئے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لڑکے خصوصاً دیہات کے رہنے والے گرمی میں ننگے بدن رہتے ہیں اور جاڑے میں صرف ایک چادر اور ڈھ لیتے ہیں۔ اول تو یہ بات مکروہ اور قابلِ اعتراض ہے۔ دوسرے اس سے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہے +

لباس کا صاف ہونا بھی ضروریات سے ہے ورنہ اس کی غلاطت بذریعہ مسامات جسم کے اندر پہنچ کر بیماری کا باعث ہوگی۔ معلّم کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے +

۵۔ نیند۔ صحت کے واسطے نیند بھی ضروری ہے۔ اس سے مکان دور ہو جاتی ہے۔ بدن میں توانائی آتی ہے۔ دوسرے روز کے کام کے واسطے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی عادت اور فرصت کے موافق سونا چاہئے۔

اس کی بابت کوئی قاعدہ کلیّہ مقرر نہیں ہو سکتا۔ مگر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کو جوانوں اور بڈھوں کی نسبت زیادہ سونا چاہئے۔ بعض لڑکے تمام رات اور دن کا بہت سا حصہ سوئے میں گزار دیتے ہیں۔ اور بعض رات کے وقت دیر تک پڑھتے ہیں اور دن نکلے تک سوتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں عادتیں مُضر صحت ہیں۔ سویرے سونا اور صبح ہی اُٹھنا صحت کے واسطے مفید ہیں بقول شخصہ -

رات کو سونا سویرے صبح کو اُٹھنا شباب + صحت بخود دولت بڑھائے عقل کو آفتاب
۶۔ ریاضت۔ یعنی جسمانی ورزش اس کا بیان آگے آتا ہے۔

۲۱۔ ریاضت کے فوائد قدیم زمانے کے لوگ قوی الجُشت اور مضبوط

ہوتے تھے۔ آج کل کے بچے ضعیف القویٰ اور نحیف دیکھنے میں آتے ہیں اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ریاضت جسمانی پر بہت توجّہ کرتے تھے۔ ڈنڈ پلٹتے تھے مگر ہلاتے تھے بیٹھکیں لگاتے تھے۔ غرض طبع طبع کی ورزشیں کرتے تھے۔

ابتداءے عمر سے گھر کے دھندوں میں نہیں پھنستے تھے۔ ان کو بے فکری اور آزادی زیادہ حاصل تھی۔ برعکس اس زمانہ میں طالب علموں کو ریاضت کا شوق نہیں۔ بعض تو شروع ہی سے کتاب کے کیڑے بن جاتے ہیں۔ اور بعض بالکل آوارہ اور خدائی خوار پھرتے ہیں۔ اس کے سوا بچپن ہی سے خانگی ذمہ داریوں کا بوجھ اُن کی گردن پر پڑ جاتا ہے۔ ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ کہ ان کو جسمانی تربیت حاصل نہیں ہوتی۔ اور عقلی اور اخلاقی تربیت سے بھی بے برہ رہتے ہیں +

اب ہم ریاضت کے چند فائدے مجملًا بیان کرتے ہیں +
(۱) ریاضت سے بھوک خوب لگتی ہے۔ معدہ زیادہ غذا ہضم کر سکتا ہے۔ جو جزد بدن ہو جاتی ہے۔

(۲) جسم کے رگ و پے خوب پھیلتے اور نشو و نما پاتے ہیں جس سے بدن خوبصورت نکل آتا ہے۔ بدن میں چستی اور چالاکی پیدا ہوتی ہے۔ طاقت اور صحت قائم رہتی ہے۔
(۳) پسینہ جسم سے زیادہ خارج ہوتا ہے۔ اور اندرونی کثافتیں پسینے کے ساتھ ساتھ جسم سے باہر نکلتی رہتی ہیں +

(۴) تنفس جلد جلد ہوتا ہے۔ آکسیجن کی مقدار پھیپھڑوں میں زیادہ پہنچتی ہے +

(۵) طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور جب طلبہ ل جُل کر ورزش کرتے ہیں۔ تو اُن میں باہمی محبت اور ربط و

اتحاد زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ جسمانی ورزش کے فائدے بہت ہیں مگر حد اعتدال سے زیادہ ورزش نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان ہوگا۔

۲۲۔ ریاضت کی مختلف قسمیں ریاضت کے لئے کسی قدر سامان تو قدرت نے خود ہی مہیا کر دیا ہے۔ چلنا پھرننا ہنسننا بولنا وغیرہ بھی ایک طرح کی ورزشیں ہیں۔ اور صحت کے لئے مفید ہیں مگر یہ ورزشیں کافی نہیں ہیں۔ اس لئے ہم یہ بتائیں گے کہ طلباء کو کس قسم کی ورزشیں کرانی چاہئیں۔

بہت چھوٹے بچوں سے کوئی خاص ورزش نہیں کرانی چاہئے۔ اُن کے لئے معمولی کھیلنا کودنا ہی کافی ہے۔ بڑی عمر کے لڑکوں کو مختلف قسم کی ورزشیں کرانی چاہئیں۔ مثلاً گیند بلا۔ فٹ بال۔ دوڑنا۔ پہاڑیوں یا ٹیلوں پر چڑھنا۔ تیرنا۔ ماری زٹل بار اور پریٹل بارز کی ورزشیں۔ اونچا یا لمبا کودنا۔ رسا کھینچنا بانس یا رسی پر چڑھنا۔ جنگی قواعد وغیرہ۔ ویسی کھیل مثلاً کبڈی۔ جوڑی ہلانا۔ ڈنٹر پیلنا وغیرہ بھی مفید ورزشیں ہیں۔ ان کے سوا جو لڑکے فہیدہ اور بڑی عمر کے ہوں۔ اُستاد کو چاہئے کہ اُن کو ایک دو میل ہوا خوری کے لئے کبھی کبھی اپنے ساتھ لے جائے اور رستے میں مختلف دلچسپ مصنامیں کا تذکرہ ہوتا رہے اس سے لڑکے بہت خوش ہوں گے۔ اور اُن کو فائدہ بھی بہت ہوگا +

اُستاد کو اس بات کی احتیاط رکھنی چاہئے کہ ورزش میں حد

زیادہ مکان نہ ہو۔ ورزش کے بعد سرو ہوا کا بدن کو بخڑ
یا مین پسینے کی حالت میں پانی پینا بہت مُضر ہے۔ طلبہ کو
ورزش کا شوق دلانے کے لئے مُعلم کو وقتاً فوقتاً خود بھی اُن کو
ورزشوں کو دیکھنا۔ اور اُن میں شریک ہو کر طلبہ کا دل بڑھانا
چاہئے۔ اور اگر کوئی طالب علم کھیل کے میدان میں جھگڑا فساد کرے
تو اُسے روکنا چاہئے۔ سب سے بہتر سزا یہ ہے کہ اُس کو کچھ عرصے
تک کھیل میں شامل نہ ہونے دیا جائے +

فصل سوم

مختلف ہدایات بابت صحت طلبہ

۲۳۳۔ صحت طلبہ عام طور پر صحت کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں
اُن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اب چند ہدایتیں جن کا
تعلق خاص کر طلبہ کی صحت سے ہے اور جن کا مُعلم کو زیادہ تر
خیال رکھنا چاہئے بھی جائیں گی۔ یہ ہدایتیں مفصلہ ذیل اُمور کے
متعلق ہیں +

(۱) وقت تعلیم (۲) طلبہ کی نشست (۳) کثرت کار
(۴) صفائی کی عادت (۵) بیمار طلبہ

۲۳۴۔ وقت تعلیم اس امر کا فیصلہ کہ مدرسہ میں روزِ مَرّہ

کتنے عرصے تک تعلیم دینی چاہئے۔ دو باتوں پر منحصر ہے +
اول۔ طلبہ کی عمر اور مضامین تعلیم کی ماہیت۔ یعنی اُن کا

کھل یا آسان ہونا۔ اگر تعلیم کے مضامین مشکل ہوں تو مدرسہ کا وقت بھی نسبت زیادہ ہوگا۔ اور اگر آسان ہوں تو کم وقت دیا جائے گا۔
دوم۔ مکان مدرسہ کی حیثیت۔ اگر مدرسہ میں ہوا۔ روشنی حرارت وغیرہ کا معقول انتظام ہو تو جماعت زیادہ وقت تک کام کر سکتی ہے۔ ورنہ بہت دیر تک مدرسہ میں ٹھہرنے سے طلبہ کی صحت میں ضرور فرق پڑ جائے گا۔

طلبہ کی عمر وغیرہ کا لحاظ کر کے پنجاب کے مدارس میں حصہ ابجد خوانان یعنی ابتدائی جماعت کے لئے تعلیم کا وقت ۳ گھنٹے اور اور حصہ لور کی دوسری اور تیسری کے لئے ۴ گھنٹے۔ قرار دیا گیا ہے۔ حصہ اپر پرائمری کی چوتھی اور پانچویں جماعتوں کو ۵ گھنٹے تعلیم ہوتی ہے۔ اور حصہ مڈل کی تینوں جماعتوں کے لئے تعلیم کا وقت ۶ گھنٹے مقرر ہے۔ البتہ اگر موسم بہت گرم ہو تو ہر ایک گھنٹے میں سے پانچ سات منٹ کم کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا ہر جماعت کی ورزش کے واسطے آدھ گھنٹہ روز علیحدہ مقرر ہے۔ تعلیم کا نصف وقت گزرنے کے بعد بیچ میں ۱۵۔۲۰ منٹ کی چٹائی بھی دی جاتی ہے۔ کیونکہ معلم اور متعلم دونوں لگا تار پانچ چھ گھنٹے تک برابر کام نہیں کر سکتے ہیں۔

۲۵۔ طلبہ کی نشست معلم کو تعلیم کے وقت طلبہ کی نشست

کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ اور جس نشست سے طلبہ کی صحت کو نقصان پہنچے کا احتمال ہو اسی سے روکنا چاہئے اکثر رٹکے ٹانگ پر ٹانگ یا زانو پر زانو دھر کر بیٹھے ہیں

کھتے دقت دائیں شانہ کو بائیں شانہ سے اونچا رکھتے ہیں یا جسم کو آگے کی طرف جھکا دیتے ہیں یا سینہ کو دسک سے ملا کر ٹانگوں کو پیچھے ڈال دیتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں بُت بُری ہیں جس نشست سے پھیپھڑوں کے دہنے اور سُکڑ جانے کا احتمال ہو۔ بالخصوص ایام طفولیت میں اس کو صحت کے لئے سخت مضر سمجھنا چاہئے۔

بچوں کی نشست ہمیشہ باقاعدہ ہونی چاہئے پاؤں ایک دوسرے کے برابر ہیں جسم میز کے متوازی رہے۔ کمر سیدھی رہے۔ کہنیاں ایک ہی سطح پر رہیں۔ طلبہ بہت دیر ایک ہی طرز پر بیٹھے یا کھڑے نہ رہیں۔ خصوصاً جن بچوں میں کمر کے لئے سہارا یعنی پشتہ نہ ہو۔ اُن پر بہت دیر تک بیٹھنے سے تکلیف اور بے چینی ہوتی ہے اور کمر کے جھک جانے کا اندیشہ ہے۔

۲۶۔ کثرت کار طلبہ سے محنت زیادہ لینا اُن کی صحت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ہر عقلی کام میں دماغ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ جو کام معلم مدرسہ میں پورا کرائے یا گھر پر کرنے کے واسطے بتائے اُس میں طلبہ کی قوت اور استعداد کا لحاظ رکھے۔ اگر اعتدال سے زیادہ کام لیا گیا۔ تو طلبہ کا دماغ ضعیف ہو جائے گا۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کے قوت ہمیشہ کے لئے بے کار ہو جائیں گے۔ اور وہ عمر بھر کسی نہ کسی مرض میں مبتلا رہیں گے۔

چھوٹے بچوں کی تعلیم میں اُستاد کو خاص کر اس بات کا خیال رکھنا لازم ہے۔ بعض نوجوان اور نا تجربہ کار معلم یہہ خیال کیا کرتے ہیں۔ کہ عقلی کام زیادہ لینے سے قوائے عقلی تیز ہوتے ہیں۔ اور جسمانی صحت پر اُس کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ جسم اور نفس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک سے زیادہ کام لینا دوسرے کے لئے بالضرور مُضر پڑتا ہے۔

۲۷۔ صفائی کی عادت اس سے پہلے ہوا۔ پانی اور لباس کے بیان میں صفائی کا ذکر اشارۃً آیا ہے۔ یہاں اُس پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جاتی ہے۔

بہت سی جلدی بیماریاں صرف صفائی کی غفلت سے پیدا ہوتی ہیں خواہ جسمانی صفائی ہو خواہ لباس کی۔ کامل صفائی کے یہ معنی ہیں کہ اپنا تمام بدن دبال۔ جلد۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ ناخن وغیرہ صاف رکھنے کے علاوہ اپنے لباس مکان۔ کتابوں۔ غرض تمام اسباب و سامان کو بھی صاف رکھا جائے۔ جسم کی صفائی صرف پانی کے استعمال سے ہو سکتی ہے۔ اس لئے حتی المقدور ہر روز احتیاط کے ساتھ نہانا دھونا چاہئے۔ طلبہ کو صفائی کی عادت ڈالنے کے لئے صفائی کے فائدے اچھی طرح اُن کو سمجھا دینے چاہئیں۔ مثلاً۔

(۱) صفائی سے صحت قائم رہتی ہے اور غلاطت بیماری کی

جڑ ہے۔

(۲) صاف مستحضر رہنے سے نہ صرف اپنا بلکہ اوروں کا دل بھی خوش ہوتا ہے +

(۳) صفائی کی بدولت کام کرنے کا شوق خود بخود پیدا ہوتا ہے +

(۴) مذاق درست ہوتا ہے۔ اور ہر کام کو باقاعدگی کے ساتھ پورا کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

(۵) غلاطت سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے۔ لوگ میلے آدمی کو اپنے پاس بٹھانے کے بھی روادار نہیں ہوتے۔ مگر جب تک معلم خود صفائی کا نمونہ پیش نہ کرے گا۔ زبانی تعلیم و تلقین کا اثر بہت ہی کم ہوگا۔ پس معلم کا بذاتِ خود صفائی پسند ہونا نہایت ضروری ہے +

۲۸ - بیمار طلبہ - بیمار طالب علموں کو مدرسہ میں نہیں رکھنا چاہئے

اُن کو فوراً گھر بھیج دینا چاہئے۔ اور جب تک وہ اچھی طرح تندرست نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک اُن کو دو بارہ مدرسہ میں نہیں آنے دینا چاہئے۔ جو طالب علم اس قدر ضعیف القویٰ اور نحیف الجسم ہوں کہ مدرسہ کی محنت سے اُن کی صحت میں جہانی غلّ پڑنے کا اندیشہ ہو یا کسی مرض متعدی میں مبتلا ہوں جس سے مدرسہ کے طلبہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ اُن کو مدرسہ میں داخل نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے ضرور ہے کہ معلم کو عام بیماریوں اور بالخصوص امراض متعدیہ (سجاری کھسرا۔ چیچک۔ خارش۔ کالی کھانسی۔ وغیرہ) کی علامتوں سے واقف ہو

باب دوم

تربیت عقلی

فصل اوّل۔ تربیت عقلی کے مقاصد

۲۹۔ تربیت عقلی کی تعریف اور ضرورت ہم پہلے کچھ چکے ہیں کہ تربیت عقلی سے مراد ہے قوائے عقلیہ (مدرکہ۔ حافظہ۔ تخیلہ۔ عقل) کو اس طرح آراستہ کرنا کہ ہر ایک قوت اپنے اپنے کاموں کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکے۔

حیوانات میں مدرکہ۔ حافظہ و تخیلہ کچھ نہ کچھ پائی جاتی ہیں۔ مگر عقل۔ یعنی غور و فکر کرنے۔ معلومات حاصل کردہ پر احکام لگانے اور اُن سے نتائج نکالنے کی قوت اُن میں بالکل نہیں ہے۔ یہ صرف انسان کا خاصہ ہے۔ عقل ہی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ تربیت عقلی سے یہ چاروں قوتیں بالخصوص قوت عقل۔ باقاعدہ طور پر نشو و نما پاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ تربیت عقلی کس قدر ضروری ہے۔

تربیت عقلی کا مدعا یہ ہے کہ :-

(۱) انسان کو مسلسل طور پر غور و فکر کرنے کی عادت ہو جائے

کتاب پڑھے تقریر سُنئے۔ گفتگو کرے یا مضمون لکھے تو تمام مطالب کو ترتیب وار لگا سکے۔ اسی طرح دنیاوی معاملات کو سوچے سمجھے۔ اور جو دقتیں درپیش ہوں اُن کو رفع کرنے کی تدبیر نکالے۔

(۲) ہر معاملہ سے جو نتائج نکل سکتے ہوں۔ نکالے۔ اور اپنے دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

یہ باتیں قوائے عقلیہ کی تربیت پر منحصر ہیں۔

۳۰۔ قوائے عقلیہ کا نشو و نما قوائے عقلیہ مثل اعضائے جسمانی

کے علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک عقلی عمل میں تمام قوتیں برابر عمل کرتی ہیں۔ اس لئے اس امر کا تصفیہ بھی مشکل ہے کہ یہ چاروں قوتیں کس تربیت سے نشو و نما پاتی ہیں۔ البتہ عام طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جس تربیت سے اُن قوائے کے نام لکھے گئے ہیں اُسی تربیت سے اُن کی تربیت ہونی چاہئے۔ ابتدا میں قوت مدرکہ (مشاہدہ کی طاقت) زور پر ہوتی ہے۔ حاقطہ بھی بہت چھوٹی عمر سے اپنا عمل شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد متخیلہ اور سب سے پیچھے عقل نشو و نما پاتی ہے۔ عموماً تین سال کی عمر میں بچہ اپنے قوائے مشاہدہ سے کام لے سکتا ہے۔ تین اور چھ سال کے درمیان۔ مدرکہ اور متخیلہ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چھ اور دس سال کے درمیان حافظہ نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ آٹھ اور دس سال کے درمیان عقل اور قوت استدلال کی ترقی شروع کی جاتی ہے۔ اب ہم ہر ایک قوت کا حال ایک ایک فصل میں بیان کریں گے۔

فصل دوم - قوت مدرکہ

۳۱ - حواس خمسہ قوت مدرکہ کی تعریف میں پہلے یہ بات معلوم

ہو چکی ہے کہ اس قوت سے ہم اشیائے خارجیہ کا علم بذریعہ حواس کے حاصل کرتے ہیں۔ اب حواس کا ذکر کیا جاتا ہے *
خداے تعالیٰ نے ہر شخص کو پانچ قوتیں عطا کی ہیں۔

- (۱) باصرہ - یعنی دیکھنے کی قوت اس کا مقام آنکھ ہے *
- (۲) شامہ - یعنی سونگھنے کی قوت - اس کا مقام ناک ہے *
- (۳) ذائقہ - یعنی چکھنے کی قوت - اس کا مقام زبان ہے -
- (۴) سامعہ - یعنی سننے کی قوت - اس کا مقام کان ہے *
- (۵) لامسہ - یعنی چھونے کی قوت - اس کا مقام تمام بدن اور خاص کر انگلیوں کے سرے ہیں *

۳۲ - احساس و ادراک حواس خمسہ کے ذریعہ سے نفس پر

جو اثر ہوتا ہے - اُسے جس کہتے ہیں - اس کی کیفیت یہ ہے کہ مختلف جسمانی اعضا سے مختلف شریانیں تمام بدن میں پھیلتی ہیں - ان کا سلسلہ دماغ میں جا کر ختم ہوتا ہے - اشیاء خارجیہ کے خواص مختلف شریانوں پر اثر کرتے ہیں - جب یہ اثر دماغ پر پہنچتا ہے تو اُس سے ایک کیفیت خاص نفس پر طاری ہوتی ہے - جیسے ٹوکا آنا - آواز کا سُنائی دینا - کسی شے کا سخت یا نرم معلوم ہونا - وغیرہ یہی حس ہے *
ابتدا میں بچوں کو صرف احساس ہوتا ہے - یعنی اُن کو

نفس اشیا کی بابت علم نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اُن کی کیفیات کا علم ہوتا ہے۔ جس قدر تجربہ بڑھتا ہے۔ رفتہ رفتہ اُن کیفیات کو اشیا خارجیہ سے منسوب کر لیتے ہیں۔ اسی کو ہم ادراک کہتے ہیں۔ مثلاً جب بچے کسی چمکدار رنگ کو دیکھتے ہیں۔ یا کوئی تیز خوشبو سونگھتے ہیں تو اُن کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ رنگ و بو کس شے سے حاصل ہوئی ہے۔ صرف اُس کی کیفیت اُن کے نفس پر ظاہر ہوتی ہے۔ پس احساس اور ادراک میں ہی فرق ہے۔ کہ

(۱) احساس میں ہم کو اشیائے خارجیہ کی صرف کیفیات

کا علم ہوتا ہے۔

(۲) ادراک کے ذریعہ سے ہم اشیائے خارجیہ کی کیفیات

کو اُن سے منسوب کرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اشیائے مذکورہ کو اُن کیفیات کی علت قرار دیتے ہیں۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ ادراک میں احساس

شامل ہے۔ اور احساس ادراک کی ابتدائی صورت ہے

اور ادراک احساس پر منحصر ہے۔

۳۳۔ تربیت حواس کی ضرورت

علم حواس خمسہ ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اس لئے اُن کو علم کے پانچ دروازے کہتے ہیں۔ مگر

جب تک معلومات حاصل کردہ صحیح اور قابل اعتبار نہوں۔

علم سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہ بات حواس کی تربیت

ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر حواس کی تربیت نہ کی جائے تو وہ کاہل اور کند ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا عمل بھی قابل اعتبار نہیں رہتا۔ پس تربیت حواس کا مقصد یہی ہے۔ کہ حواسوں میں چُستی اور تیزی آجائے اور جو علم اُن کے ذریعہ سے نفس کو حاصل ہو وہ صحیح اور قابل اعتبار ہو +

۳۴۔ تربیت حواس کے اُصول اب تربیت حواس کے اُصول بتائے جاتے ہیں +

(۱) حواس خمسہ کی بخوبی مشق کراؤ۔ قوت باصرہ۔ شائقہ۔ سامعہ۔ لامسہ کی ترقی دیکھنے۔ سونگھنے۔ چکھنے۔ سُننے اور چھونے سے ہوتی ہے۔ اس لئے ہر ایک قوت کی تربیت کے لئے مناسب اشیاء کا سامان مہیا کرو۔ اور اُن کے مختلف خواص سے بچوں کو واقفیت پیدا کراؤ۔ پس قوت باصرہ کی تربیت کے واسطے بچوں کو مختلف رنگ دکھاؤ۔ چیزوں کی ایسی خاتیں جو دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ مثلاً قد۔ صورت۔ تعداد۔ حرکت۔ فاصلہ وغیرہ کا مشاہدہ کراؤ۔ قوت شامعہ کی ترقی کے لئے مختلف چیزوں کی بو سونگھاؤ۔ قوت ذائقہ کو ترقی دینے کے لئے میٹھا۔ کھٹا۔ نمکین۔ کڑوا۔ پھیکا وغیرہ ذائقے چکھاؤ۔ قوت سامعہ کی ترقی مختلف آوازیں سُننے سے ہوتی ہے۔ مثلاً اونچی۔ نیچی۔ بلند۔ نرم۔ خوش آئند۔ دل سوز وغیرہ + قوت لامسہ کی تربیت کے لئے ہلکی۔ بھاری۔ سخت۔ صاف۔ پگھلاؤ۔ گرم۔ سرد وغیرہ اشیاء پیش کرو +

(۲) تربیت حواس صرف مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ بچے خود مختلف چیزوں کو دیکھ بھال کر اُن کے خواص سے آگاہی حاصل کریں۔ معلم صرف ہدایت کرتا رہے۔ معلم کا اشیار کے خواص طلبہ کے سامنے زبانی بیان کر دینا مثلاً یہ کہنا کہ ”دیکھو یہ شے گول ہے۔“ ”یہ ہموار ہے۔“ ”یہ صاف ہے۔“ ”یہ زرد ہے“ اور بچے اپنے حواس سے کام نہ لیں محض بے سود بنے۔ اور کسی طرح تربیت حواس میں داخل نہیں ہے۔

(۳) اول اول اشیار کے ایسے فرق لینے چاہئیں جو نہایت واضح ہوں۔ مثلاً مربع اور دائرہ مستطیل اور مربع کا فرق ابتدا میں بچے اچھی طرح نہیں سمجھ سکیں گے باریک فرقوں کے معلوم کرنے کی عادت رفتہ رفتہ پیدا ہوتی ہے +

(۴) معلم کی گفتگو تعجب خیز ہونی چاہئے۔ جس سے طلبہ کو شوق پیدا ہو اور طلبہ کا دل بڑھانا چاہئے۔ کہ جوابات چاہیں دریافت کریں +

(۵) کسی شے کے مشاہدہ کرانے کے بعد جب اُس شے کی خاصیت کا اثر یا خیال طلبہ کے ذہن میں پیدا ہو جائے تو اُس وقت اُس کا نام بتانا چاہئے۔ مگر اُسی ترتیب سے کہ اول وہ شے بچوں کے سامنے پیش کی جائے۔ پھر اُس کے خواص کا تصور دلایا جائے اُس کے بعد الفاظ جو اُن کو تعبیر کرتے ہیں۔ بتائے جائیں۔ الفاظ کے بتانے کی ضرورت اس

وجہ سے ہے کہ بغیر الفاظ کے ہم کچھ ترقی نہیں کر سکتے۔ اُن خیالات کو نفس میں قائم رکھنے کے لئے ضرور ہے کہ اُن کے واسطے نام مقرر کئے جائیں تاکہ جن اشیاء کا مشاہدہ کیا گیا ہے جس وقت وہ نظر کے سامنے سے غائب ہو جائیں تو الفاظ کے ذریعے سے ان کا خیال فوراً ذہن میں آ جائے تخیلات اور الفاظ لازم و ملزوم ہیں مگر چھوٹے بچوں کو اصطلاحی الفاظ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اُن کو سمجھ نہیں سکیں گے۔

حواس کی تربیت کامل اُس وقت سمجھنی چاہئے۔ جبکہ خواص اشیاء کا اثر دل پر تیز اور گہرا ہو۔ اور بچے ذرا ذرا سا فرق بھی آسانی معلوم کر سکیں۔ مثلاً قوت باصرہ کی ترقی اُس وقت کامل سمجھی جائے گی جب وہ مختلف رنگوں کے تھوڑے تھوڑے فرق کو بھی آسانی کے ساتھ دیکھ سکے۔ اسی طرح قوت شامہ کی ترقی کامل یہ ہے کہ بُو کے تھوڑے تھوڑے فرق کو بھی آسانی کے ساتھ معلوم کر سکے۔ یہ تربیت اشیاء کے سبقوں سے بخوبی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان سبقوں میں حواس خمسہ سے برابر کام لینا پڑتا ہے۔

۳۵۔ توجہ اور اُس کی عظمت پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تربیت حواس کے لئے اشیاء کا دیکھنا بھانا ضروری ہے۔ مگر اشیاء کے خواص بغیر توجہ کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس لئے بچے میں توجہ کی مادت کا پیدا کرنا ضرور ہے۔

توجہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے ہم بالا ارادہ اپنے
نفس کو کسی چیز پر لگاتے ہیں۔ توجہ کی دو قسمیں ہیں +
(۱) غیر ارادی توجہ۔ جو خود بخود بلا ارادہ کسی چیز کی
طرف لگ جاتی ہے۔

(۲) ارادی توجہ۔ یعنی نفس کو بالا ارادہ کسی چیز کی طرف
لگایا جائے۔ غیر ارادی توجہ چھوٹے بچوں میں بھی پائی جاتی
ہے۔ جو چیز نہایت چمکدار یا خاص کر نہایت دلکش ہوتی ہے۔
اس کی طرف بچوں کی توجہ آپ سے آپ مائل ہو جاتی ہے
مثلاً چاند کی طرف بچے بڑی خوشی سے دیکھتے ہیں۔ مگر اس توجہ
کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ جدھر لگ گئی اُدھر لگ گئی۔ اس لئے
یہاں ہم کو اس توجہ سے کچھ سروکار نہیں ہے بلکہ ہماری غرض
بالا ارادہ توجہ سے ہے۔ کہ جس طرف چاہیں لگا سکیں۔ یہی توجہ
بچے میں پیدا کرنی چاہئے۔ جو اُس میں موجود نہیں ہوتی +

توجہ تعلیم و تربیت میں بھی نہایت ہی ضروری ہے +
(۱) جب تک توجہ نہ کی جائے نفس کی کسی قوت کا عمل پورا
پورا نہیں ہو سکتا۔ خواہ قوتِ حافظہ ہو خواہ قوتِ عقل وغیرہ +
(۲) ہر ایک کام میں دل لگا کر غور و غوض کرنے کی عادت
ہوتی ہے۔ اور علم کی بنیاد مستحکم رکھی جاتی ہے +

(۳) توجہ کے بغیر قدرتی ذکاوت اور ذہانت سے بھی چنداں
مطلب بر آری نہیں ہوتی۔ ذہن مگر بے توجہ بچے اپنے مقصد
میں کامیاب نہیں ہو سکتے +

(۴) اگر علم اپنے شاگردوں میں توجہ پیدا نہ کر سکے تو اُس کا طریقہ تعلیم و تربیت ناقص سمجھنا چاہئے۔ اور اُس کی تعلیم و تربیت بالکل بچ ہے +

۳۶۔ تربیت توجہ کے وسائل

توجہ کی عادت قائم کرنے کے لئے

ذیل کے وسائل استعمال کرنے چاہئیں +

(۱) کافی وقت۔ توجہ ایک قسم کی عادت ہے۔ اور آہستہ آہستہ پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کے تربیت کرنے میں معلم کو جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ پورا پورا وقت دینا چاہئے۔ ایک وقت میں ایک ہی بات پیش کرنی چاہئے۔ تاکہ طلبہ اکتانہ جائیں +

(۲) صفائی بیان۔ توجہ کے قائم رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری وسائل میں سے ہے۔ جن باتوں پر طلبہ کو توجہ دلانا ہو ضرور ہے کہ نہایت صاف اور واضح طور پر ان کی تشریح کی جائے۔ ورنہ طلبہ کی توجہ حاصل نہیں ہو سکتی +

(۳) مناسب محرکات۔ توجہ جبر۔ دباؤ اور دھکی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضرور ہے کہ مناسب محرکات کا استعمال کیا جائے۔ مثلاً

(الف) علم کا شوق۔ یہ قوت کم و بیش ہر شخص میں موجود ہے۔ اس کو ترقی دینے کے لئے ضرور ہے اُستاد کی تقریر دلچسپ ہو۔ اُس کا طرز بیان ایسا ہونا چاہئے۔ جو بچوں کی استعداد سے باہر نہ ہو جسے وہ آسانی سے سمجھ سکیں کبھی کبھی تعجب خیز کلمات کا استعمال کرنا اور تصویروں

نقشوں وغیرہ سے کام لینا بھی شوق دلانے کے لئے مفید ہے۔

(ب) کام کرنے کا شوق۔ اُستاد کو صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کرنی چاہئے کہ طالب علم تعلیم کے وقت چپ چاپ بیٹھ سنا کریں۔ بلکہ اُن کے دل کو مضمون تعلیم پر لگانا چاہئے۔ طلبہ کے ہاتھ سے شکلیں وغیرہ بنانا مفید مشقیں ہیں +

(ج) ہمدردی۔ اُستاد کو چاہئے کہ طلبہ کا مونس و ہمدرد رہے۔ محبت اور مہربانی سے اُن کو اپنی طرف مائل کرے اور ذوق و شوق کے ساتھ اُن کی تعلیم میں مصروف ہو۔ طلبہ کو متوجہ کرنے کی یہ بہت عمدہ ترکیب ہے۔

(د) دباؤ۔ ان محرکات کے علاوہ تھوڑا بہت دباؤ سے کام لینے کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ مگر زیادہ دباؤ ڈالنا بُری غلطی ہے +

(۴) جسمانی اسباب۔ جو توجہ میں مغل ہیں ان کو رفع کرنا چاہئے (دیکھو دفعہ ۳۸ نمبر ۵)

۳۷۔ اچھی توجہ کے خواص

اچھی توجہ میں یہ تین وصف پائے جانے چاہئیں :-

(۱) استحکام۔ یعنی نفس کو سب طرف سے ہٹا کر کسی شے پر ہمہ تن توجہ کی جائے اور سوائے اُس شے کے کسی دوسری شے کا بالکل خیال نہ ہو۔ توجہ کے وقت اگر طبیعت ڈاواں

ڈول رہے۔ تو اُس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔
 (۲) استقلال - یعنی نفس کو متواتر توجہ دینے کی عادت ڈالی جائے۔ بعض پیچیدہ اور مشکل باتوں میں ہم کو گھنٹوں سوچنا پڑتا ہے۔ اگر ہماری توجہ میں استقلال نہ ہو تو ہم کبھی اُن مشکلات کو حل نہیں کر سکیں گے۔
 (۳) قابلیت تبدیل - یعنی جب چاہیں توجہ کے مضمون کو آسانی کے ساتھ تبدیل کر سکیں۔ جس وقت ایک بات پر توجہ کرتے کرتے دوسری پر توجہ کرنی چاہیں تو بھی توجہ اسی قدر زور کے ساتھ ہو۔

۳۸ - موانع توجہ

توجہ کا طلبہ میں پیدا کرنا تعلیم و تربیت کا ایک بڑا مقصد ہے۔ یہ عادت بچوں میں نہیں ہوا کرتی معلم کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بے توجہی طلبہ ہی کا قصور ہے یہ خیال مُبت سی غلطیوں کا باعث ہوگا۔ معلم کا فرض ہے کہ اُن اسباب سے واقفیت حاصل کرے جو بے توجہی کا باعث ہوں۔ یہ اسباب حسب ذیل ہیں :-

(۱) جسمانی کمزوری - بعض بچے اپنی کمزوری کی وجہ سے توجہ نہیں کر سکتے ایسی حالت میں زمی سے کام لینا چاہئے۔ اور زیادہ توجہ نہیں کرانی چاہئے۔

(۲) بزدلی - بعض کم استعداد بچے طبعا ڈرپوک ہوتے ہیں۔ یہ بھی بے توجہی کا باعث ہے۔ اُن کے دل میں یہ خیال سما جاتا ہے کہ ہم دوسروں کے مانند کبھی کامیابی

حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کا علاج بھی یہی ہے کہ معلم نرمی برتے اور ایسے طلبہ کا دل بڑھائے۔ ورنہ بے توجہی کی عادت مستحکم ہو جائے گی *

(۳) زندہ دلی۔ بعض مستعد طالب علم اپنی ہوشیاری کی وجہ سے توجہ نہیں کیا کرتے ان کو خیال ہو جاتا ہے کہ ہم تو ہوشیار اور سمجھ دار ہیں۔ ہم کو توجہ کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے طلبہ سے باریک اور مشکل سوال پوچھنے چاہئیں تاکہ اُن کو سوچنے کی عادت پڑے اور حسب ضرورت چشم نمائی بھی کرنی چاہئے *

(۴) طبیعت کی کمالی۔ کابل طبیعت والے طلبہ کو متوجہ کرنے کے لئے بھی وہی تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔ جو ڈرپوک طلبہ کے لئے بیان کی گئی ہے۔ یعنی نرمی اختیار کرنا۔ اور دل بڑھانا۔ اس کے سوا اس بات کے پتہ لگانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اُن کو کس خاص شے کی طرف رغبت ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی شے کی طرف میلان ہوتا ہے۔ ایک قسم کے سبق پر دل نہ لگے تو دوسری قسم کے سبق پر ضرور لگے گا۔ اگر عقلی کام سے دل اُچاٹ ہوا تو عملی کام ہی میں دل لگے گا۔ اگر مطالعہ سے کسی کو قطعی نفرت ہو تو کسی نہ کسی قسم کی تفریح طبع ہی کا شوق ہوگا۔ غرض ہر ایک کی طبیعت کا رُحمان دریافت کر کے اُسی کے موافق وسائل اختیار کرنے چاہئیں۔ کسی

طالب علم کی نسبت پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لینا کہ اُس کی طبیعت اور خصلت کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی - بڑی غلطی ہے۔ اِس سے اُس کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ جاتی ہے اور پھر اُس سے کوئی توقع نہیں کی جاسکتی +

(۵) بعض جسمانی اسباب - مثلاً طلبہ کا دیر تک ایک ہی نشست پر بیٹھے رہنا یا ایک ہی کام کئے جانا - مکان مدرسہ میں آرام نہ ہونا - روشنی ہوا - حرارت کا مناسب انتظام نہ ہونا وغیرہ اسباب بھی توجہ میں مغل ہوتے ہیں - اُن کو رفع کرنا چاہئے - ایسی صورتوں میں لائق سے لائق معلم بھی طلبہ کی توجہ کو بخوبی قائم نہیں رکھ سکے گا +

فصل سوم - قوتِ حافظہ

۳۹ - حافظہ کی تعریف پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حافظہ وہ قوت ہے جس سے علم حاصل کردہ بحفاظت نفس میں جمع رہتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔ اِس تعریف سے ظاہر ہے کہ حافظہ میں دو قوتیں شامل ہیں +

(۱) قوتِ تحفظ - یہ علم حاصل کردہ کی حفاظت کرتی اور اُس کو جمع رکھتی ہے +

(۲) قوتِ استحضار - یہ اُس علم کو ضرورت کے وقت حاضر کر دیتی ہے۔ اِس قوت کے بغیر قوتِ تحفظ کچھ کام نہیں

دے سکتی۔ اگر علم حاصل کردہ نفس میں جمع بھی رہا اور وقت ضرورت وہ بات ہمارے دل ہی دل میں پھرتی رہ گئی۔ اور ہم سوچتے کے سوچتے ہی رہ گئے۔ تو کیا فائدہ؟ ایسا علم نہ ہم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ نہ دوسروں کو +

۴۴۔ حافظہ کی ضرورت اگر قوت حافظہ موجود نہ ہوتی تو ہم کچھ بھی ترقی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ جب تک اشیائے خارجیہ ہمارے سامنے موجود رہتیں۔ اسی وقت تک نفس کو اُن کا علم رہتا۔ اور اُن کی نظر سے غائب ہوتے ہی اُن کا علم بھی صفحہ دل سے محو ہو جاتا۔ پس اس صورت میں علم کا حاصل کرنا۔ محض بے کار اور غیر ضروری ہوتا۔ کیونکہ ہر شے ہمارے نزدیک نئی ہوتی۔ گو کتنی ہی مرتبہ ہم نے اُن کا مشاہدہ کیا ہوتا۔ غرض اس قوت کی عدم موجودگی سے نہ تو قوت مد رکہ کار آمد ہوتی ہے۔ نہ قوت متخیلہ اپنا عمل کرتی۔ اور نہ قوت عقل کسی شے پر حکم لگا کر نتائج نکال سکتی +

۴۵۔ حافظہ کی تربیت قوت حافظہ کی ترقی بھی مثل دیگر قوتوں کے مشق پر منحصر ہے۔ حافظہ کی دو بڑی قسمیں ہو سکتی ہیں +

(۱)۔ الفاظ یا عبارت کا حفظ کرنا۔ (۲)۔ مضامین یا مطالب کا حفظ کرنا۔

معلم کا کام زیادہ تر دوسری قسم کے حافظہ کو ترقی دینا

ہے۔ ہمارے ملک کے معلم عموماً اس قوت کی تربیت کے اصول سے بالکل غافل ہیں۔ وہ قوت حافظہ کی ترقی اسی بات میں سمجھتے ہیں۔ کہ بچے مختلف باتیں لفظ بلفظ بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح یاد کر لیں اور اُن کو زبردستی دماغ میں ٹھونس کر بھر لیں۔ اس سے قوت حافظہ کی ترقی تو درکنار دماغ ضعیف ہو کر ہمیشہ کے واسطے بیکار ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض موضوعوں پر عبارت کا لفظ بلفظ یاد کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً افعال وغیرہ کی گردانیں۔ حساب کے پہاڑے اور قاعدے۔ گیر کی تعریفیں۔ اخلاقی نصائح وغیرہ مگر ایسی صورت میں بھی ضرور ہے کہ پہلے اُن کا مطلب بذریعہ تشریح و توضیح کے ذہن نشین کر دیا جائے۔ اس قسم کے چیزوں کو ۶ سالہ سے لیکر ۱۲ سال کی عمر تک یاد کرانا چاہئے اس قوت کی تربیت کے لئے امور مندرجہ ذیل کا مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) توجہ کی عادت۔ توجہ کے بغیر کوئی بات یاد نہیں ہو سکتی۔ جس قدر زیادہ کسی بات پر توجہ دیجاتی ہے۔ اُسی قدر استحکام کے ساتھ وہ یاد رہتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ معلم اول طلبہ میں توجہ کی عادت پیدا کر لے اور وہ وسائل اختیار کرے جن سے یہ عادت پیدا ہوتی ہے مثلاً تقریر کا دل چسپ ہونا۔ محبت و مہربانی و ہمدردی سے برتاؤ کرنا۔ مضمون تعلیم کا طلبہ کی سمجھ کے موافق

ہونا۔ ایک ہی وقت میں بہت سی باتیں نہ بتانا۔ وغیرہ
 (۲) انتخاب مضمون۔ کسی بات کا حفظ کرنے کے لئے بڑی
 اور چھوٹی باتوں میں تمیز کرنی لازم ہے۔ بڑی اور مشکل باتوں
 پر خاص کر توجہ کرنی چاہئے۔ چھوٹی باتوں پر چنداں توجہ کی
 ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بڑی باتوں میں بھی
 جو باتیں زیادہ تر ضروری ہیں اُن کا بھی انتخاب کر لینا ضروری
 ہے۔

(۳) تقسیم و ترتیب مضمون۔ جس بات کا حفظ کرنا
 منظور ہے اُس کے خیالات کی ترتیب منطقی ہونی چاہئے
 جو مضمون ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے وہ جلد سمجھ میں
 آ جاتا ہے۔ اور خوب یاد ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے
 پیچیدہ بیانات کی تشریح اور طویل بیانات کا اختصار کرنا چاہئے
 تاکہ وہ بخوبی سمجھ میں آجائیں۔

(۴) کافی وقت اور تکرار۔ تکرار اور اعادہ سے حافظہ
 کو بہت مدد ملتی ہے۔ کوئی بات فوراً ذہن نشین نہیں ہو سکتی
 اس لئے ضرور ہے کہ حفظ کرنے کے لئے کافی وقت بھی دیا
 جائے۔ اور ایک بات کو بار بار دہرایا جائے اور خوب شق
 کرائی جائے۔

۴۲۔ تسلسل خیالات اس سے مراد ہے خیالت کا باہم اس
 طرح وابستہ ہونا کہ جب ایک خیال یاد آئے تو ساتھ ہی دوسرے
 خیالات بھی یاد آجائیں۔ تسلسل خیالات سے قوت حافظہ کو

خاص کر مدد ملتی ہے۔ کیونکہ نفس کو ہر ایک بات فرداً فرداً یاد رکھنے کے لئے وقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ ایک بات کے لگاؤ سے باقی باتیں آپ سے آپ یاد رہتی ہیں۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی مکان میں کوئی عجیب و غریب تماشا دیکھا ہو۔

اب جب اُس مکان کا ذکر ہوگا۔ یا ہم اُس کے پاس سے گذریں گے تو ہم کو تمام واقعات جو وہاں پیش آئے تھے یاد آجائیں گے۔ اس لئے نفس کو اس قسم کی عادت ہونی چاہئے۔

۴۳۔ اچھے حافظہ کے خواص اگر قوت حافظہ کی جیسی کہ

چاہئے تربیت کی جائے تو اس میں حسب ذیل خواص ضرور پائے جائیں گے۔

(۱) سہولت۔ یعنی جن باتوں کو یاد کرنا ہے وہ جلد اور

آسانی سے یاد ہو جائیں۔ جس قدر جلد کوئی بات حافظہ میں سما جائے بہتر ہے۔

(۲) امانت۔ یعنی جو بات یاد کی ہوئی ہے اس میں نہ تو سو کی

وجہ سے کچھ کمی ہو جائے۔ اور نہ تصور سے کچھ زیادتی۔ ہر بات بے کم و کاست اور جوں کی توں دماغ میں موجود رہے۔

(۳) وفا و استحکام۔ یعنی علم حاصل کردہ ہمیشہ دل میں قائم رہے۔ اور امتداد زمانہ سے کوئی بات صفحہ دل سے محو نہ ہو جائے۔

(۴) مستعدی۔ یعنی کسی یاد کی ہوئی بات کی جب ضرورت آچکے

تو حافظہ فوراً اُس کو ذہن میں سامنے لا کر حاضر کر دے۔

فصل چہارم - قوتِ تخیلہ

۴۴۔ تخیلہ کی تعریف ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ تخیلہ وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے نفس معلومات حاصل کردہ کو نئی ترتیب دیکر اُسی قسم کی یا بالکل نئی صورتیں پیدا کر لیتا ہے۔ ان معلومات حاصل کردہ کو تخیلات یا تصورات بھی کہتے ہیں۔ اس قوت کے فعل کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ معلومات کو اس طور پر ترتیب دیا جائے جس کا وجود خارج میں واقعی طور پر ہو۔ مثلاً زمین کر دے کہ ہم نے پہاڑ دیکھا ہے اور برف بھی دیکھی ہے مگر ایسا پہاڑ نہیں دیکھا جس کی چوٹیوں پر برف جی ہوئی ہو۔ تو اب ہماری قوت تخیلہ دونوں چیزوں کو جمع کر کے برفانی پہاڑ کا تصور کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے اجزا پہاڑ اور برف ہم نے دیکھ رکھے ہیں۔ دوسرے یہ کہ معلومات کی ترتیب ایسی ہو جن کا واقعی طور پر خارج میں کوئی وجود نہ ہو۔ مثلاً دیو۔ جھوٹ۔ پریت وغیرہ کی تصویریں۔ پس۔ تصور (یا تخیل) کی دو قسمیں ہیں :-

- (۱) تصورِ سادہ۔ جو معلومات حاصل کردہ کو ترتیب دیکر ایسی صورتیں بنا لیتا ہے جن کا واقع میں وجود ہے +
- (۲) تصورِ خلاق۔ جو معلومات حاصل کردہ سے ایسی صورتیں بناتا ہے جن کا واقع میں وجود نہیں ہوتا +

۴۵۔ تخیلہ کی تربیت اس قوت کی تربیت میں صرف پہلی قسم

(تصور سادہ) کی تربیت کا ذکر کیا جائے گا۔ دوسری قسم (تصور خلاق) کی تربیت کا مدرسہ سے تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ مدرسہ میں شاعری۔ افسانہ نگاری وغیرہ مضامین کی تعلیم نہیں ہوتی۔ جن کے لئے متخیلہ کی دوسری قسم کی تربیت درکار ہے۔ بچے کی طبیعت میں اول اول قوت متخیلہ بہت پُر زور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہانیاں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سُنتا ہے۔ قصہ کے تصور سے اُس کو بڑا لطف آتا ہے وہی صورتوں سے بہت ڈرا کرتا ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں سے خوش یا آزرده ہو جاتا ہے۔ اب ہم اس قوت کی تربیت کا طریقہ بتاتے ہیں +

بچوں کی قوت متخیلہ کو ترقی دینے کے لئے دو وسائل ہیں:-

اول۔ زبان - دوم تصاویر

اول زبان - اس میں دو باتیں شامل ہیں:-

(الف) زبانی گفتگو۔ جب معلم طلبہ کے سامنے کسی واقعہ وغیرہ کا حال بیان کرے تو ضرور ہے کہ اُس کی گفتگو سلیس اور طلبہ کی استعداد کے موافق ہو۔ اُس کے بیان کا سلسلہ ایسا صاف اور دل چسپ ہو کہ جو بات سمجھانی ہے اُس کی تصور طلبہ کے خیال میں آ جائے۔ اور بڑی بڑی باتیں اُن کے دل میں جم جائیں۔ تشیل ایسی چیزوں کے ساتھ دینی چاہئے۔ جن کو طلبہ سمجھتے ہوں۔ اگر ان امور کا لحاظ نہ کیا گیا۔ تو اُن کی قوت متخیلہ کا عمل باطل ہو جائے گا۔

(ب) زبان دانی کی کتابیں۔ درسی کتابوں میں جو واقعات

واقعات درج ہوں وہ بالکل صحیح ہوں۔ اُن میں تاریخی واقعات
سیر و سفر کے حالات۔ حیوانات کے دل چسپ بیانات۔ قدرتی
 مناظر۔ مشہور لوگوں کے سوانح۔ اخلاقی نصائح وغیرہ درج ہونی
چاہئیں۔ یہ مضامین اور اُن کی عبارتیں جماعتوں کی استعداد
کے موافق مشکل یا آسان ہونی چاہئیں *

دوم تصاویر۔ تصویروں کے دیکھنے سے بھی قوت متخیلہ
کی تربیت ہوتی ہے۔ اِن کو بچے بڑی خوشی کے ساتھ دیکھتے
ہیں۔ اس لئے ضرور ہئے کہ درسی کتابوں میں جن حیوانات۔
مقامات۔ اشخاص وغیرہ کا تذکرہ ہو اُن کی تصویریں بھی اُن
میں درج کی جائیں۔ بچوں کے لئے تصویریں سیدھی سادی
ہونی چاہئیں۔ یہ ضرور نہیں کہ فنِ تصویری کا کمال اُن
میں پورا پورا ظاہر کیا جائے۔

۴۶۔ قوت متخیلہ کے فوائد اِس قوت کی تربیت باقاعدہ طور
پر کی جائے تو اُس سے کئی فائدے ہیں۔ مثلاً

(۱)۔ تربیت عقلی میں قوت متخیلہ بہت کار آمد ہے۔ دنیا

کے مختلف ملکوں۔ شہروں۔ باشندوں وغیرہ کا علم جن کو ہم
نے بچپن میں خود نہیں دیکھا۔ اِسی قوت کی بدولت حاصل ہوتا
ہے۔ دُنیا کے مشہور و معروف لوگوں نے مختلف علوم و فنون
میں جو طرح طرح کی علمی تحقیقاتیں اور جدید اختراعات کئے ہیں
وہ سب اُن کے غور و خوض کا نتیجہ ہے یا یوں کہو کہ اُن
کی قوت متخیلہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ تھی۔ الغرض

اسی قوت کی بدولت انسان شاہدہ کی حد سے نکھر اُن باتوں تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ جو شاہدہ کی حد سے باہر ہیں +
 (۲) یہ قوت تربیت اخلاقی میں بھی کار آمد ہے۔ جب بچے شروع ہی سے عمدہ خیالات اور اخلاقی مضامین پڑھیں گے تو اُن کو اس قسم کی باتوں میں حظ اور دل چسپی لینے کی عادت پیدا ہو جائے گی۔ مختلف آدمیوں کی سوانح عمری پڑھنے سے اُن کے دل میں فضائل اخلاق خوب مستحکم ہو جائیں گے۔ جیسا کہا گیا ہے قصص الاولین موعظ اللاحزین یعنی اگلے لوگوں کے قصے پڑھنے اور سُننے سے پچھلوں کو نصیحت اور عبرت حاصل ہوتی ہے +

(۳) اس سے ہماری خوشیاں بڑھتی ہیں۔ معمولی چیزوں اور روزمرہ کی باتوں میں بھی طبیعت کو بہت حظ آنے لگتا ہے۔ اگر کوئی رنج یا صدمہ پیش آئیگا تو جلد جاتا رہے گا۔ کیونکہ تفریح طبع کے بہت سے سامان ہمارے پاس موجود ہوں گے۔ برعکس اس کے جس شخص کی قوت متخیلہ کی تربیت اچھی طرح نہیں ہوئی۔ وہ اُسی غم میں عرصہ دراز تک غلطن پھنسا رہیگا۔ کیونکہ اپنا غم غلط کرنے کا کوئی وسیلہ اس کے پاس نہ ہوگا +

اگرچہ اس قوت کی تربیت سے بڑے بڑے فائدے ہیں۔ لیکن اگر تربیت باقاعدہ طور پر نہ ہو یا حد سے زیادہ اس قوت کو ترقی دی جائے تو اس سے طرح طرح کے نقصان متصور ہیں مثلاً

(۱) آدمی وہمی اور سودائی سا بن جاتا ہے۔ ہر دم کسی خیال میں غلطاں پیچاں رہتا ہے کسی کام پر اُس کا دل نہیں جتنا۔ غرض آدمی بالکل بھٹکا ہوا بن جاتا ہے +

(۲) ذرا ذرا سی تکلیفوں کو بڑھا کر پہاڑ بنا لیتا ہے۔ اور ہمیشہ ان سے دق اور پریشان رہتا ہے +

(۳) تعصبات اور توہمات میں گرفتار رہنے کی وجہ سے طبیعت بدی کی طرف بھی مائل ہو جاتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جن طالب علموں میں قوت تخیل بہت بڑھ گئی ہو اُن کو معلم کسی نہ کسی کام بالخصوص کھیل کود میں لگائے رکھے اور ایسا سامان ہم پہنچائے جس سے اُن کی عقل کو ترقی اور استحکام ہو۔ اس طرح اُن کا تصور جد اعتدال پر آ جائے گا +

فصل پنجم۔ قوت عقل

۴۷۔ عقل کی تعریف اور عظمت عقل کی تعریف میں یہ بات

مجملاً معلوم ہو چکی ہے کہ اس قوت کے ذریعے سے نفس معلومات پر احکام لگاتا اور نامعلوم نتائج نکالتا ہے۔ اس میں دو قوتیں شامل ہیں۔ ایک وہ جس کے ذریعے سے ہم احکام لگاتے ہیں۔ اور دوسری وہ جس کے ذریعے سے ہم نتائج نکالتے ہیں۔ پہلی کو قوت فیصلہ اور دوسری کو قوت استدلال کہتے ہیں۔ ان کا حال بعد میں بیان کیا جائے گا۔

اب جاننا چاہئے کہ عقل ہی کی بدولت انسان مختلف اُمور کی نسبت رائے لگانے کی قابلیت حاصل کرتا ہے۔ اسی کی بدولت نیکی اور بدی میں تمیز کرتا ہے۔ اسی کی بدولت اُس کی فضائل و عادات دُرست ہوتی ہیں۔ جو کچھ ترقی آج تک انسان نے کی ہے۔ وہ سب عقل ہی کا نتیجہ ہے۔ یہی قوت انسان و حیوان میں فصل اور ماہ الفارق ہے۔ یعنی دونوں میں اسی سے تیز ہوتی ہے۔ غرض جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ عقل ہی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے ۛ

۴۸۔ قوت فیصلہ اور اُس کا عمل قوت فیصلہ وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے نفس دو یا زیادہ تخیلات کا باہم مقابلہ کر کے احکام لگاتا ہے۔ یہ عقل کی ابتدائی صورت ہے۔ اب ہم بتائیں گے کہ یہ عقلی عمل ذہن میں کیونکر ہوتا ہے۔ اس قوت کا عمل قوت مدرکہ کے عمل کے بعد ہوتا ہے۔ یعنی یہ ضرور ہے کہ نفس میں پہلے سے کچھ معلومات موجود ہوں جو بذریعے الفاظ ظہور پاتے ہیں۔ جب عقل ان تخیلات کا باہم مقابلہ کرتی ہے تو اُس سے نفس میں احکام پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا اظہار بذریعے جملوں کے ہوتا ہے۔ مثلاً ”سونا بھاری ہے“۔ ”چھت اوپنچی نہیں ہے“۔ صورت اول میں دو تخیلات ”سونا“ اور ”بھاری پن“ کا مقابلہ کر کے نفس نے اُن پر حکم اثبات لگایا اور اُس کا اظہار اس جملہ میں ہوا کہ ”سونا بھاری ہے“ اسی طرح صورت دوم میں دو تخیلات ”چھت“ اور ”اوپنچی پن“ کا

مقابلہ کر کے نفس نے اُن پر محکم سلب لگایا۔ اور اُس کا اظہار اس جملہ میں ہوا کہ ”چھت اوپچی نہیں ہے“ اس بیان سے ظاہر ہے کہ جب تک خیالات کو مناسب الفاظ میں ظاہر نہ کیا جائے اور الفاظ کے صحیح معنے نہ لئے جائیں۔ عقل درست احکام نہیں لگا سکتی۔ اور غلطیاں کرنے اور شبہات میں پڑنے سے باز نہیں رہ سکتی +

۴۹۔ تعریف۔ کسی شے کے ضروری خواص کو جمع کر کے اُس کے ساتھ بیان کرنا۔ اور اُس کا ایک نام مقرر کرنا اُس شے کی تعریف کہلاتا ہے۔ تعریف بھی قوت فیصلہ ہی کے ذریعے سے بتائی جاتی ہے۔ مثلاً انسان کی تعریف میں جب ہم کہتے ہیں کہ ”انسان حیوان ناطق ہے۔“ تو پہلے ہم تمام حیوانات کے گروہ کا مشاہدہ اور اُس کو اُن کی جنس میں داخل کر کے اُن کے ضروری خواص دریافت کرتے ہیں پھر گروہ انسان کا مشاہدہ کر کے اس کے ضروری خواص معلوم کرتے ہیں۔ اب حیوان و انسان کے خواص کا باہم مقابلہ کر کے یہ بات دیکھتے ہیں۔ کہ عقل و نطق ہی ایسا خاصہ ہے جو حیوانات میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ باقی تمام خواص مثلاً۔ چلنا۔ پھرنا۔ اُلٹنا۔ بیٹھنا۔ دکھ سکھ محسوس کرنا وغیرہ دونوں میں مشترک ہیں۔ ان سب باتوں کے بعد ہم یہ محکم لگاتے ہیں کہ ”انسان حیوان ناطق ہے۔“ اسے انسان کی تعریف کہتے ہیں۔ بیان مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تعریف

دو علموں کا مجموعہ ہے +

(۱) تجرید۔ یعنی کسی شے کے ضروری خواص یا اجزاء کا مشاہدہ کر کے اُن کو اس شے سے علیحدہ کرنا۔ اور ہر ایک کا جُدا نام مقرر کرنا +

(۲) تعمیم یعنی جن اشیاء میں وہ ضروری خواص مشترک پائے جاتے ہیں ان سب کو ایک نام دینا مثلاً میز۔ درخت۔ پرندہ۔ اسی بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ تعریفات کے لئے مقابلہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ دو یا زیادہ تخیلات کے باہمی مقابلہ ہی سے نفس احکام لگا سکتا ہے۔

۵۹۔ قوت فیصلہ کی تربیت | اس قوت کی تربیت میں مفصلہ

ذیل امور کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔

(۱) معلومات کافی اور صحیح ہوں۔ کیونکہ نفس معلومات ہی پر احکام لگاتا ہے۔ اگر معلومات کا ذخیرہ کم ہوا تو نفس احکام نہیں لگا سکے گا۔ اور اگر معلومات غلط ہوئے تو ظاہر ہے کہ احکام بھی جو معلومات پر مبنی ہیں غلط ہوں گے +

(۲) اشیاء کا مشاہدہ اور مُقابلہ ٹھیک ٹھیک ہو۔ ورنہ حکم غلط ہوگا۔ اس لئے مُعلم کو اشیاء کے سبقوں میں اس قوت کو خوب ترقی دینی چاہئے۔ یہ ترقی طلبہ کی استعداد کے موافق تدریج ہونی چاہئے۔ احکام لگانے سے پہلے اشیاء کے مشاہدہ اور مُقابلہ کی قابلیت پیدا کرنی ضرور ہے۔ مقابلہ اولاً اشیاء کی کمیت کا ہونا چاہئے۔ جیسے جسامت۔ تعداد

وزن - پھر خواص مثلاً رنگ - صورت وغیرہ کو لینا چاہئے۔ اس کے بعد اشیار کے استعمال اور فائدوں سے واقفیت پیدا کرانی چاہئے +

(۳) مشاہدہ اور مقابلہ کرنے اور احکام لگانے میں طلبہ کی عقل پر زور ڈالنا چاہئے۔ معلم صرف رہنمائی کرتا رہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے جس قدر اشیار ہم پہنچ سکیں۔ طلبہ کو اُن سے واقفیت کرانی چاہئے۔ اور معلم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ طلباء اشیار کا مشاہدہ صحت اور درستی کے ساتھ کر سکیں اور سرعت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کر کے فوراً حکم لگا سکیں +

۱۵۔ قوت استدلال اور اُس کی قسمیں استدلال کے

لفظی معنی میں دلیل لانا۔ مگر اصطلاح میں اُس قوت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے نفس دو یا زیادہ احکام کا باہم مقابلہ کر کے نتائج نکالتا ہے۔ اس تعریف سے ظاہر ہے کہ قوت کے عمل سے پہلے قوت فیصلہ کا عمل ہونا لازم ہے۔ کیونکہ جب تک احکام نہ ہوں قوت استدلال اپنا کچھ عمل نہیں کر سکتی۔ اور جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ احکام لگانا قوت فیصلہ کا فعل ہے۔ پس استدلال عقل کی اعلیٰ قسم ہے۔ اور اس کا عمل سب سے پیچھے ہوتا ہے مثلاً فرض کرو کہ یہ دو احکام کہ ”الف = ب“ اور ”ب = ج“ ہمارے نفس میں موجود ہیں۔ ان کا مقابلہ کر کے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ”الف = ج“

استدلال کی دو قسمیں ہیں۔ استقراء۔ استخراج +

(۱) استقرار۔ یہ وہ طریق استدلال ہے جس میں ہم بہت سے خاص افراد کے مشاہدہ سے عام قاعدہ یا نتیجہ نکالتے ہیں۔ جو اُس قسم کے کُل افراد پر حاوی ہو۔ اس صورت میں ہم خاص سے عام کی طرف جاتے ہیں۔ مثلاً زید۔ عمر۔ بکر وغیرہ چند فرد انسان کو ہم نے مرتے ہوئے دیکھا۔ اور اُس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ ”تمام انسان فانی ہیں“ اسے استقرار کہتے ہیں۔

(۲) استخراج۔ یہ وہ طریق استدلال ہے جس میں ہم۔ عام قاعدہ یا نتیجہ کو (جو ہم نے استقرار کے ذریعے سے نکالا ہے) خاص افراد پر عاید کرتے ہیں۔ اس صورت میں ہم عام سے خاص کی طرف جاتے ہیں۔ مثلاً ہم نے استقرار کے ذریعے سے معلوم کیا کہ ”تمام انسان فانی ہیں“ اور ہم کو معلوم ہے کہ ”زید انسان ہے“ اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ زید فانی ہے۔ اسے استخراج کہتے ہیں +

۵۲۔ دلائل استقرائی کے خواص | استقرار فی تحقیق تعمیم کا

متمم ہے۔ تعمیم کے عمل میں بھی یہی قوت ریونی خاص مشاہدہ سے عام نتیجہ نکالنا کام آتی ہے۔ کیونکہ تعمیم کے ذریعے سے ہم اُن افراد کو جن میں ضروری خواص مشترک ہوتے ہیں۔ ایک عام نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے + اچھی دلائل استقرائی میں چار وصف ہونے چاہئیں +

(۱) صحت مشاہدہ یعنی افراد کا مشاہدہ صحت کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نتیجہ۔ یا قاعدہ مستخرجہ جس کی بنیاد مشاہدہ

پر ہے صحیح اور قابل اعتبار نہ ہوگا *

(۲) افراد کی باہمی مشابہت خواص ضروریہ یعنی بڑی بڑی باتوں میں دیکھنی چاہئے عارضی امور کی مشابہت سے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ غلط ہوا کرتا ہے *

(۳) استقرار تام ہو۔ یعنی تقسیم یا نتیجہ ایسا ہو کہ کل افراد پر حادی ہو اگر ایسا نہ ہو تو اُس کو استقرار ناقص کہتے ہیں۔ جو مفید یقین نہیں ہو سکتا *

(۴) نتیجہ ماقول و دل ہو۔ یعنی جو عام اصول نکالا جائے اُس کو صاف طور پر نہ چپے نئے لفظوں میں مختصر اور پُر مطلب عبارت میں ادا کیا جائے *

۵۳۔ دلیل استخراجی کے خواص دلیل استخراجی کا بیان

منطق کی کتابوں میں درج ہوتا ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف چند ہدایتیں مجمل طور پر بیان کریں گے۔ معلوم کو لازم ہے کہ مفصل بیان کسی منطق کی کتاب میں دیکھ لے *

(۱) دلیل کی ترتیب اس دلیل میں دو مقدمات ہوتے ہیں۔ اور اُن کے مقابلہ سے ایک نتیجہ نکلتا ہے۔ مقدمات کو کبریٰ اور صغریٰ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ان دونوں میں ایک جزو مشترک ہوتا ہے۔ اس کو حد اوسط کہتے ہیں۔ اس کے گرانے سے نتیجہ نکل آتا ہے۔ مثلاً۔

تمام انسان فانی ہیں (کبریٰ) مقدمات
زید انسان ہے۔ (صغریٰ)
زید فانی ہے۔ نتیجہ (جو حد اوسط یعنی لفظ

”انسان“ کے گرانے سے نکلا ہے) جب یہ دلیل اس طرح مرتب ہوتی ہے تو اس کے مجبوء کو شکل کہتے ہیں۔ پس ہر شکل کے تین جزو ہوئے۔ دو مقدمات یعنی کبرلی و صغریٰ اور ایک نتیجہ

(۲) صحت مقدمات چونکہ دلیل میں تمام دار و مدار مقدمات پر ہے اس لئے ضرور ہے کہ صحیح مقدمات قائم کئے جائیں۔ غلط مقدمات ہوئے تو نتیجہ لا محالہ غلط ہوگا۔

(۳) صحتِ نتیجہ۔ اس کے لئے مقدمات کا صحیح ہونا لازم ہے مگر بعض اوقات باوجود مقدمات کے صحیح ہونے کے ہم بوجہ نا تجربہ کاری کے غلط نتیجہ نکال لیتے ہیں پس ضرور ہے کہ استخراجی دلائل کی کافی مہارت پیدا کی جائے۔

(۴) مغالطے۔ اگر مقدمات کی ترتیب سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ فی الحقیقت اُن سے نہ نکلتا ہو تو اس کو اصطلاح میں مغالطہ کہتے ہیں۔ مثلاً دعویٰ اور دلیل میں یا جزو اور کل میں تیز نہ کرنا۔ دور۔ تسلسل وغیرہ ان مغالطوں سے بچنا چاہئے۔ ان کی تشریح منطق کی کتابوں میں دیکھنی چاہئے۔

۵۴۔ استقراء و استخراج کا استعمال تمام علوم کی بنیاد جو

انسان نے حاصل کئے ہیں۔ استقراء اور استخراج پر ہے۔ دونوں اپنے مقام پر نہایت ضروری ہیں۔ استقراء کے ذریعہ سے اصول عامہ اور قواعد کلیہ کا استنباط کیا جاتا ہے استخراج کے ذریعہ سے ان کا استعمال خاص خاص مشاغل پر

کیا جاتا ہے۔ اور یہ دونو ایک کل کے دو جزو ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر باطل ہے۔ عام نتائج حاصل کرنے کے لئے خاص افراد کا مشاہدہ ضرور ہے۔ اور پھر عام نتائج کو خاص افراد پر لگانے کے بغیر ان کی صحت کا امتحان نہیں ہو سکتا۔

استقرار اور استخراج کے استعمال کا طریق ہم کو قدرت سے سیکھنا چاہئے۔ پہلے اول استقرار کرتا ہے۔ اور پھر استخراج کرنا سیکھتا ہے۔ یہی ترتیب تعلیم و تربیت میں بھی مد نظر رکھنی چاہئے یعنی اول استقرار اور بعد میں استخراج سے کام لینا چاہئے۔ استقرار ہمارے علم کا خاکہ یا بنیاد قائم کرتا ہے۔ استخراج کے ذریعے سے وہ علم مرتب ہو جاتا ہے۔

دلیل استخراجی معاملات پر غور یا بحث کرنے میں کار آمد ہوتی ہے ہماری روز مرہ کی دلیلیں عموماً استخراجی ہوتی ہیں۔ کیونکہ استقرار نفس میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ مثلاً جب کسی سچ بولنے والے آدمی کو دیکھ کر ہم کہیں کہ ”یہ اچھا آدمی ہے“ تو ہمارے نفس میں ایک استقرار موجود ہے کہ ”سچ بولنا اچھا ہے“

حساب صرف و نحو اور جغرافیہ کی اصطلاحیں۔ علم طبعی کے اصول وغیرہ دلیل استقرائی کی مشق کے لئے مناسب مضمون ہیں۔ ترکیب نحوی۔ اور تحریر اقلیدس (علم ہندسہ) دلیل استخراجی کے عمدہ نمونے ہیں۔



باب سوم

تربیت اخلاقی

فصل اوّل - تربیت اخلاقی کے مقاصد

۵۶۔ تعریف اور ضرورت تربیت اخلاقی میں تاثر اور ارادہ

کے باقاعدہ طور پر تربیت کرنے سے بحث ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے تربیت کی تقسیم کے موقع پر بیان کیا گیا ہے۔ تہذیب اخلاق کی عظمت اس طرح آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ حکماء نے اس کو مجملہ علوم و فنون پر ترجیح دی ہے۔ حکیم بقراطؑ کہتا ہے: "أَلْبَدَنُ الَّذِي لَيْسَ بِالنَّفْسِ كُلَّمَا غَدَا وَقَدْ فَقَدَ ذَرْئَهُ شَرًّا" یعنی جو بدن اخلاط فاسدہ سے پاک نہیں ہے اُس کو جس قدر غذا دی جائے اُس میں اُسی قدر خرابی اور مادہ مرض کی زیادتی ہوگی۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب تک نفس اخلاق ضعیفہ سے پاک نہ ہوگا۔ علوم و فنون کی تحصیل سے اُلٹا نقصان ہوگا کیونکہ اُس سے کبر و نخوت وغیرہ عادات قبیحہ پیدا ہوں گی۔ علم چندانکہ بیشتر خوانی چوں عمل درتوفیت ناولی میحقق بود نہ دانشمند چار پائے بروکتابی چند

ہر شخص کے لئے تربیت اخلاق کئی وجہ سے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً:-

(۱) انسان مدنی بطع ہے یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ بغیر باہمی میل و جمل کے اس کا کام نہیں چل سکتا۔ ہر شخص ادنے ہو یا اعلیٰ۔ غریب ہو یا امیر۔ بادشاہ ہو یا فقیر۔ اپنی روز مرہ کی ضروریات میں ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے۔ چنانچہ یہ امر ہمیشہ ہمارے مشاہدے میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے باہمی تعلقات اور معاشرت میں اخلاق کی نہایت ضرورت ہے +

(۲) انسان کی اصلی خوشی تہذیب اخلاق ہی پر منحصر ہے۔ بہت سے آدمی ایسے دیکھنے میں آتے ہیں کہ اُن کے قوائے عقلیہ کی ترقی تو خاطر خواہ ہوتی ہے۔ مگر اخلاقی تربیت سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے اُن کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور رفتہ رفتہ بُری عادتیں اُن کے مزاج میں راسخ ہو کر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو سچی خوشی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی +

(۳) خدائے تعالیٰ نے انسان کو قوائے جسمانی اور قوائے عقلی کے ساتھ قوائے اخلاقی بھی عطا کئے ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ مجملہ قوئی کی تربیت ہمارا فرض ہے۔ پس اخلاقی تربیت سے غافل رہنا قانون قدرت کی خلاف ورزی ہے۔ جس کی سزا کبھی نہ کبھی ضرور ملے گی +

(۴) تمام تعلیم و تربیت بغیر اخلاق کے ناقص اور نامکمل ہیں
 اگر ہم تعلیم و تربیت کو ایک درخت سے تشبیہ دیں تو جسم
 صحیح کو اُس کی جڑ۔ عقل سلیم کو اُس کے پھول اور اخلاق
 حسنیہ کو اُس کے پھل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ غرض اسی کی
 بدولت انسان کمال انسانی پر پہنچتا ہے، اگر انسان طاقت
 جہانی میں رستم زمان اور عقل میں افلاطون دوراں ہو گیا
 اور فضائل اخلاق سے بے بہرہ رہا تو اُس سے کیا فائدہ؟

در خاک بیلقان رسیدم بعبادے
 گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن
 گفنا برو چو خاک تھل کن اے فقیہ
 یا ہرچہ خواندہ ہمہ در زیر خاک کن

۵۷۔ تربیت اخلاقی کی غرض تربیت اخلاقی کا بڑا مقصد یہی

ہے کہ انسان کی ملکوتی صفات نشوونما پائیں۔ یعنی وہ نیکی
 کو اختیار کرے۔ اور بدی سے باز رہے چونکہ اخلاقی تربیت میں
 تاثر اور ارادہ کی تربیت شامل ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو
 چکا ہے۔ اس لئے اب ہم اس باب میں ان دونوں کے تربیت
 کا ڈھنگ بتائیں گے اور فضائل اخلاق و ردائل فراج
 کے بیان کے علاوہ تربیت اخلاق کے متعلق دیگر ضروری امور
 پر بھی بحث کریں گے؟

—————

اور جب کوئی بُرا کام کرے تو فوراً اپنی ناراضی ظاہر کریں تاکہ وہ نیک کاموں کو اختیار کرے۔ اور بُرے کاموں سے باز رہے۔ اکثر والدین بچپن میں اپنے بچوں کی بیجا ناز برداری اور ملاؤ پیار کرتے ہیں۔ اگر بچے حرکاتِ ناشائستہ کرتے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ ابھی تو وہ بچے ہیں۔ اُن سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں پر والدین کی رضامندی اور ناراضی کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اُستاد کو بھی ایسے بچوں کی اصلاح میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ غرض ابتداء میں بچے تاثرات ہی کے ذریعہ سے اخلاق سیکھتے ہیں جس کی بنیاد اُن کے والدین کے ہاتھ میں ہے۔

۶۰۔ محرکات اور ان کا فائدہ جس طرح خوشی کے تاثرات ہمارے

دل میں کسی کام کے کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اسی طرح رنج و تکلیف کے تاثرات نفرت پیدا کرتے ہیں۔ جب خواہش اور نفرت میں کافی زور پیدا ہو جاتا ہے۔ تو یہ تاثرات محرکات بن جاتے ہیں یعنی انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف

مائل کرتے ہیں۔ پس محرکات وہ کیفیات نفسانی ہیں جو انسان کو بعض افعال کے کرنے کی تحریک یا ترغیب دیتی ہیں۔ مثلاً کام کرنے کا شوق۔ والدین اور اُستاد کی رضامندی کا شوق۔ تقلید۔ اپنی نسبت اپنے ہم چشموں کی رائیں۔ خواہشِ سبقت۔ تعریف و ملامت۔ انعام وغیرہ ان کا ذکر بابِ انضباط میں کیا جائے گا۔

محركات تعليم و تربيت ميں نہایت کار آمد ہيں۔ وجہ يہ ہے کہ اُن کے اثر سے ادنیٰ۔ اعلیٰ۔ بچہ۔ جوان۔ بوڑھا۔ سب متاثر ہوتے ہيں۔ اور قوت ارادی کو اُن سے بڑی مدد ملتی ہے جس سے افکار سرزد ہوتے ہيں +

۶۱۔ محركات کا استعمال دنیا ميں مختلف طبائع اور مختلف اوضاع و اطوار کے لوگ دیکھے جاتے ہيں۔ يہی حال بچوں کا ہے۔ بعض بچوں کی طبيعت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو معمولی دھکی یا آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہيں کہ بغیر سخت سزا کے باز نہيں آتے۔ اس ليے محركات کے استعمال ميں پوری احتیاط رکھنی۔ اور ذیل کی ہدایتوں پر عمل کرنا چاہئے +

(۱)۔ ہر شخص کی طبيعت سے واقفیت پیدا کرنی چاہئے۔ اس کے بعد جس قسم کے محرک کی ضرورت ہو اُس کو استعمال کرنا چاہئے +

(۲) ہر شخص کی طبيعت پر ہمیشہ ایک ہی محرک موثر نہيں ہوتا۔ اور وقتاً فوقتاً ایک محرک کی بجائے دوسرے سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس ليے اُستاد کو چاہئے کہ بچوں کی تربيت ميں حسب مقتضائے مصلحت جس محرک کی ضرورت ہو اس کا استعمال کرے +

(۳) چونکہ بچوں کی قوت ارادی بہت ضعیف ہوتی ہے۔ اس ليے اُن کی طبيعت ميں خارجی محركات مثلاً تعريف انعام وغیرہ کا استعمال ضروری ہے۔ تاکہ اُن کی طبيعت پر پورا پورا

کے ساتھ نظر رکھنی چاہئے۔ ایک مرتبہ بھی کوئی نا
 شایستہ حرکت ظہور میں آئی تو اُس کو وہیں روک دینا چاہئے۔
 کیونکہ یہی اچھے اچھے باتیں انجام کار عادت بن جاتی ہیں۔ مثلاً
 اگر کوئی بچہ ہنسی ہنسی میں جھوٹ بولنا شروع کرے۔ یا بے پروائی
 سے ایک منٹ مدرسہ میں دیر کر کے آئے اور اُستاد اُس کو
 کچھ چشم گھائی نہ کرے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس میں دروغ گوئی اور
 بے ضابطگی کی عادت مستحکم ہو جائے گی۔ برعکس اس کے اپنے
 کپڑوں سے ایک دھبہ کا چھڑانا یا اپنے پڑوسی کی مصیبت
 پر ایک آنسو بہانا صفائی اور ہمدردی کی عادت کا پیش خیمہ
 ہو سکتا ہے۔ اسی واسطے کہا ہے۔

۷

سرچشمہ شاید گرفتار بہ میل
 چو پُر شد نشاید گزشت بہ پیل

(۲) عادتیں بہ تدریج پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک
 ہی وقت میں بہت سی عادتوں کا اختیار کرنا محض تضحیح
 اوقات ہے۔ اگر کئی عادتیں اختیار کرانی ہوں تو اولاً سب
 سے مقدم اور ضروری عادت سے ابتداء کرانی چاہئے۔ پھر
 اوروں کو یکے بعد دیگرے لینا چاہئے۔

(۴) عادتیں صحبت اور میل جول سے آسانی کے ساتھ
 پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ بچوں کے والدین
 اور اُن کے سرپرست اور معلم خود نیک چلن ہوں تاکہ
 طلبہ میں بھی نیک عادت پیدا ہوں۔ اُستاد کو یاد رکھنا

چاہئے کہ محض زبانی تعلیم و تلقین سے چنداں فائدہ متصور نہیں ہے تا وقتیکہ وہ خود اچھا نمونہ طلبہ کے سامنے پیش نہ کرے۔ اگر اُس کا کردار اس کے گفتار کے مطابق ہے تو طلبہ سے حسب دلخواہ اخلاق حسنہ کی توقع کی جا سکتی ہے۔

عَنِ الْمُكَرَّمِ لَا تَسْئَلُ وَاسَلْ عَنْ قَرِيْبِهِ
فَكُلُّ قَرِيْبٍ بِالْمُقَامَرِ يَهْتَدِي

فصل چہارم - قوتِ ارادی

۶۴۔ ارادہ اور اُس کی تربیت جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تربیتِ اخلاق میں تاثرات اور ارادہ کی تربیت شامل ہے۔ تاثرات کا ذکر ہو چکا۔ اب جاننا چاہئے کہ ارادہ کیا شے ہے۔ جو قوت ہمارے خیالات اور افعال کی ہادی ہے۔ یعنی ہم کو بتاتی ہے کہ یہ کام کرو اور یہ نہ کرو اُس کو ارادہ یا قوتِ ارادی کہتے ہیں۔ اس قوت کے ذریعے سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ بچوں کی طبیعت میں جب کوئی محرک پیدا ہوتا ہے۔ تو اُسی وقت فعل بھی اُن سے سرزد ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُن کی قوتِ ارادی ضعیف اور نا تربیت یافتہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات مثلاً غصہ کی حالت میں ہماری بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کبھی کسی کو مار بیٹھتے ہیں۔ کبھی زجر و توبیخ کرتے ہیں۔ اور پیچھے پچھتاتے ہیں۔ پس قوتِ ارادی کی تربیت نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ارادہ اخلاق کی جان ہے۔ جب تک ارادہ میں استحکام اور

استقلال نہ ہو انسان کا کوئی کام پورا نہیں ہو سکتا۔ اُس کے کام اُدھورے اور ناقص رہتے ہیں۔ اسی قوت کی بدولت انسان نفس امارہ کی خواہشوں اور جذبوں کو مغلوب کر سکتا ہے۔

۶۵۔ قوت ارادی کی تربیت کا طریق [قوت ارادی کی تربیت میں امور مندرجہ ذیل قابل لحاظ ہیں۔

(۱) بچوں کو اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کی عادت ڈلوانی چاہئے۔ یعنی اپنے کام میں دوسروں کا سہارا نہ ڈھونڈیں اور اُن کے محتاج نہ رہیں۔ پس اُستاد کو احتیاط رکھنی لازم ہے کہ جن کاموں کی بھلائی بچوں کو بخوبی ذہن نشین کرادی گئی گئی ہے۔ وہ اُن کو ہمیشہ بلا تردد پورا کرنے کی کوشش کریں (۲) جس کام کو کرنا چاہیں۔ اُس کے تمام پہلوؤں کو پہلے ہی سے اچھی طرح سوچ لیں اور پھر مشکلات کا کچھ خیال نہ کر کے استقلال اور سرگرمی کے ساتھ انجام دیں۔ اضطراب اور غصے کو دل میں راہ نہ دیں +

(۳) اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ قوی محرکات کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ قوت ارادی کو ضعیف کرتے ہیں مثلاً روزِ مرہ بُرا سننے یا مار کھانے سے بچہ بے خیال ہو جاتا ہے۔ اُس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ طبیعت میں ایک طرح کی مخالفت پیدا ہوتی ہے +

(۴) تربیت ارادی میں عادت کو بُرا دخل ہے۔ پس جب

تک کسی کام کی عادت نہ ڈالی جائے محض ارادہ کا زور کافی نہیں ہوگا +

فصل پنجم - عقل اخلاقی

۶۶۔ عقل اخلاقی اور اُس کی ضرورت جس قوت سے ہم نیک و بد میں تمیز کرتے ہیں بعض حکما اُس کو عقل اخلاقی یا مُدرکۃ اخلاقی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ قوت دیگر قوتوں سے علیحدہ ہے۔ مگر عموماً حکما کی یہ رائے ہے کہ یہ کوئی جداگانہ قوت نہیں ہے۔ بلکہ عقل ہی نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی قوت ہے۔ پس اگر عقل کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ وہ افعال کے نیک و بد میں تمیز کرنے کا آلہ ہے۔ تو وہ عقل اخلاقی ہے۔

اخلاق سکھانے میں عقل اخلاقی کی تربیت ضروریات سے ہے۔ تہذیب اخلاق کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ چند اصول اخلاق مثلاً ”سچ بولو“ ”ماں باپ کی اطاعت کرو“ وغیرہ بطور گُر کے طلباء کو صرف زبانی یاد کرا دیے جائیں۔ اور وہ اُن کو اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح تسلیم کر کے اُن کے مطابق عمل کیا کریں۔ ایسا کرنا گویا ریت پر دیوار قائم کرنا ہے اگر ہم اخلاق کا بنیادی پتھر مستحکم رکھنا چاہتے ہیں تو ضرور ہے کہ اُس کی بنیاد عقل پر ہو۔ کیونکہ قدرت نے انسان کو مثل ایک کل کے نہیں بنایا ہے بلکہ اس کو ہر ایک بات

اثر ہو۔ مثلاً اگر ہم کسی بچے سے کہیں ”سچ بولنا تمہارا فرض ہے“ تو وہ کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ مگر تعریف اور ملامت کو سمجھتا ہے۔ سچ بولنے پر اُس کی تعریف کی جائے اور جھوٹ بولنے پر ملامت کی جائے تو وہ سچ کو اختیار کرے گا اور جھوٹ بولنے سے باز رہے گا۔

(۴) جوں جوں بچوں کی عقل بڑھتی جائے خارجی محرکات کو چھوڑ کر فرض کا خیال اُن کے دلوں میں پیدا کرنا چاہئے مثلاً اُن کی طبیعت میں یہ بات بٹھانی چاہئے کہ ”سچ بولنا ہمارا فرض ہے“ تربیت اخلاق کی تکمیل اسی بات پر منحصر ہے کہ یہ محرک (فرض کا خیال) طلبہ کے دلوں پر حاوی ہو جائے۔ اور وہ اپنا فرض سمجھ کر نیکی کو اختیار اور بدی سے احتراز کریں۔ نہ کہ والدین یا استاد کی ناراضی کے خیال سے۔

(۵) محرکات سے اس طرح کام لیا جائے کہ بچوں کو خوشی و راحت حاصل ہو نہ کہ رنج و کُلفت اس لئے حتی الامکان قوی محرکات کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً بات بات پر دھمکانا یا مارنا پٹینا ٹھیک نہیں ہے۔ ماں اگر کسی پرانی عادت کو چھڑانا اور نئی عادت کو اختیار کرانا ہو اُس وقت بعض صورتوں میں قوی محرک کا استعمال ضروری ہوگا۔



فصل سوم۔ عادات

۶۲۔ عادات اور اُس کا اثر [مقدمہ میں یہ بیان ہو چکا

ہے کہ کسی کام کو بار بار کرنے سے طبیعت میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کام میں آسانی ہوتی ہے۔ اور اُس کے کئے بغیر چین نہیں آتا۔ اس کیفیت کو عادت کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عادت کا مشق کا نتیجہ ہے۔

جسمانی اور عقلی تربیت میں عموماً اور اخلاقی تربیت میں خصوصاً عادت کو بہت بڑا دخل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تہذیب اخلاق میں کسی کام کو اچھا یا بُرا سمجھ لینے سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ اُس پر عمل کرنا۔ یعنی اچھے کام کو کرنا اور

برے سے باز رہنا نہایت ضروری ہے۔ اور یہ بات عادت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حکماء نے کہا ہے ”العادة طبعية ثانیة“۔ یعنی عادت دوسری فطرت بن جاتی ہے۔ اور اس میں کچھ شک بھی نہیں اور ہمارے روزانہ مشاہد سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کہ صحبت اور تربیت کا اثر

آہستہ آہستہ ایسا مستحکم ہوتا ہے کہ وہ طبیعت ثانیہ بن کر نمایاں ہوتا ہے۔ یہ بات انسان کی طبیعت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ نباتات پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک

آم کا پودا سیب کے سایہ میں پرورش پائے تو آم میں سیب کی خوشبو اور ذائقہ ہوگا۔ اور نیم کے نیچے پرورش پائے

تو نیم کی بو باس اور مزہ اُس میں ہوگا۔ اِس مضمون کو
شاعرانہ طور پر ایران کے مشہور شاعر نے اِس طرح ادا کیا
ہے۔

۷

گلے خوشبوے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بستم
بدو گفتم کہ مشکِی یا عیری
کہ از بوئے دل آوینر تو مستم
بگفتا من گلے ناپسند بودم۔
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد۔
وگر نہ من ہمد خالم کہ ہستم

زمانہ قدیم کے بعض مشہور حکماء کی یہ رائے تھی کہ اخلاق
قابل تغیر نہیں ہے۔ اور ہر شخص ایک جہانگاہ فطرت پر پیدا
ہوتا ہے۔ جس میں فرق نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر کوئی شخص فطرتاً
نیک پیدا ہوا ہے تو وہ نیکی ہی کے کام کرے گا اور اگر بد
پیدا ہوا ہے۔ تو بدی ہی اُس سے ظہور میں آئے گی۔ مگر
زمانہ حال کے بعض لایق حکماء نے اِس خیال کی تردید کی
ہے۔ اخلاق جلالی۔ اور اخلاق ناصری میں اِس پر
مفصل بحث کی گئی ہے۔ تہذیب اخلاق میں عادت دو
وجہ سے نہایت کار آمد ہے۔

(۱)۔ اِس وجہ سے کہ عادت نہایت ہی مضبوط

ہتھیار ہے۔ ہر شخص پر اس کا بہت ہی بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہاں تک قدرتی جذبات و شہوات کو بھی۔ خواہ کیسے ہی قوی ہوں۔ نیچا دکھا سکتی ہے۔ اور سختی سے نہیں بلکہ نہایت نرمی اور آہستگی سے رفتہ رفتہ ان کو زیر کرتی ہے۔ (۲) اس وجہ سے کہ ہم کوئی عادت مستمرہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لیکر نہیں آتے بلکہ ہر عادت کی قابلیت ہماری طبیعت میں موجود ہوتی ہے۔ غرض چال چلن کا بنانا یا بگاڑنا ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور اپنی بھلی یا بُری عادتوں کے ہم خود یا ہمارے والدین اور مربی و سرپرست ذمہ دار ہیں

۶۳۔ عادت کا اختیار کرنا

بچوں کو کسی بات کی عادت ڈلوانے وقت معلّم کو یہ چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ (۱) عادت کے پیدا ہونے کے لئے کافی وقت و کار ہے۔ اس لئے اُستاد کو لازم ہے کہ تھوڑے عرصے میں بڑے بڑے نتائج کی توقع نہ کرے۔ اگر کسی لڑکے میں کوئی بد عادت پائی جائے تو اُس کے دور کرنے میں جلدی نہ کرے۔ جس طرح آہستہ آہستہ اُس نے وہ عادت حاصل کی ہے۔ اُسی طرح قدم بقدم اُسی راستہ پر پیچھے ہٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کوئی عادت نہ تو ایک دن میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور نہ ایک دن میں دُور ہو سکتی ہے۔ (۲) طلبہ کی ذرا ذرا سی حرکتوں پر بڑی ہوشیاری

کے سوچنے سمجھنے اور اس پر رائے قائم کرنے کی عقل عطا ہوئی ہے +

۶۷۔ عقل اخلاقی کی تربیت اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدا میں بچہ تاثرات کے ذریعے سے اخلاق سیکھتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کچھ مچکے ہیں مگر بڑی عمر کے سمجھ دار بچے سے اس بات کی توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ جو کچھ ہم کہیں اُس کو بغیر چون و چرا کے تسلیم کر لے۔ اس لئے کہ جوں جوں اُس کی عمر بڑھتی جائے اور کسی بات کے سمجھنے اور اُس پر رائے قائم کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی جائے۔ اُس کی عقل کے مطابق خیال کے اسباب و نتائج بھی اس کے ذہن نشین کرنے چاہئیں یا یوں کہو کہ عقل اخلاق کی تربیت ہونی چاہئے اس مدعا کو حاصل کرنے کے واسطے ان ہدایتوں کی پابندی ضروری ہے +

(۱) بادی النظر میں عقل کی تربیت کے دو ہی طریقے خیال میں آسکتے ہیں (۱) حکم یعنی بچے کو کسی کام کے کرنے کی ہدایت کرنا یا یہ بتانا کہ فلاں کام کر د (۲) ہمتناع یعنی یہ کہنا کہ فلاں کام بُرا ہے اس کو نہیں کرنا چاہئے +

چھوٹے بچوں اور مبتدیوں کے واسطے پہلا طریقہ ہی استعمال کرنا چاہئے۔ اور بُرے کاموں کے سوچنے میں ان کی عقل کو مصروف نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر شروع سے اُن کے سامنے بُرے کاموں کا ذکر کیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ انہیں

کو کرنے لگیں اور سرود بہستان یاد دہانیدن کا مضمون
صادق آئے۔ طبع انسانی کا یہ ایک خاصہ ہے کہ جس کام
سے روکا جائے اُسی کے کرنے کو دل چاہتا ہے۔ چنانچہ
عربی مقولہ ہے اَلَا سُنَّانُ خَرِيصٍ عَلَى مَا مَنَعَ اِسْ کے
سوا بیکی ہزاروں صورتیں ہیں کس کس بُرائی سے اُس کو
مانعت کرو گے۔ نیکی کا صرف ایک رستہ ہے کیوں نہ
اُس کو ایک ہی رستہ پر ڈالا جائے؟

دوسرا طریقہ یعنی امتناعی بڑی عمر کے طلبہ کے لئے
مفید ہے۔ کیونکہ وہ نیکی بدی کو سمجھ گئے ہیں مگر اُن کے
لئے بھی صرف اسی طریقہ سے کام نہیں لینا چاہئے۔ بلکہ
دونوں طریقوں کو ملا کر تربیت کرنی چاہئے۔ یہ بات صاف
ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریقے لازم و ملزوم ہیں۔ مثلاً جب
ہم کہتے ہیں کہ ”سچ بولنا اچھا ہے“ تو اس میں یہ مفہوم
بھی داخل ہے کہ ”جھوٹ بولنا بُرا ہے“ تاہم چھوٹے بچوں کو
اُس کی منفی صورت نہیں بتانی چاہئے۔

(۲) تربیت اخلاقی طلبہ کے مناسب حال ہونی چاہئے
اکثر معلم اخلاق سکھانے کا مقصد یہی سمجھتے ہیں کہ اپنے شاگردوں
کو اصول اخلاق کے متعلق روکھی پھیلی نصیحتیں کیا کریں اور وہ
خاموش بیٹھے سنا کریں۔ یہ طریقہ ہرگز مناسب نہیں ہے اس
سے تو اُن کا دل ملول اور پریشان ہوگا۔ اور کوئی فائدہ متصور
نہیں ہے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ جو بات بتائی جائے وہ طلبہ کے

دل پر نقش ہو جائے پس ضرور ہے کہ خود طلبہ کے چال چلن کی یا جس شہر میں مدرسہ ہو وہاں کے لوگوں کے چال چلن کی مثالیں لیکر ایک دل چسپ طریقہ سے طلبہ کے سامنے پیش کی جائیں۔ مثلاً اگر بچوں سے بار بار صرف یہ کہا جائے کہ ”سچ بولو“ تو ان کے دلوں پر اس بات کا چنداں اثر نہ ہوگا۔ ہاں اگر ان کو بتایا جائے کہ جھوٹ بولنے والے کی سچی بات کو بھی لوگ جھوٹا ہی سمجھتے ہیں جس سے اُس کو بڑی مُصِیبت ہوتی ہے۔ یا اُسناد یہ کہے کہ ”دیکھو فلاں لڑکے نے فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا اب مجھے اُس کی بات کا اعتبار نہیں رہا“ اب جو لڑکا جھوٹ بولے گا اُس کا بھی یہی حال ہوگا تو اُن کے دلوں پر یہ بات بخوبی نقش ہو جائے گی اور وہ جھوٹ سے بچنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح راستی کی عادت ان میں مستحکم ہو جائے گی۔

(۳) چونکہ مدارس میں تعلیم اخلاق کے لئے جداگانہ وقت مقرر نہیں ہوتا۔ اس لئے اُستاد کو وقتاً فوقتاً زبانی تعلیم دینی لازمی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ ہر روز اس کے لئے کوئی خاص وقت نکالا جائے۔ بلکہ اثنائے تعلیم میں جب کبھی کوئی موقع پیش آئے اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ یہی طریقہ زیادہ موثر ہوتا ہے۔ کبھی اخلاق کی مختلف مثالیں لیکر طلبہ کا امتحان کرنا چاہئے۔ یعنی اُن سے یہ کہنا چاہئے کہ اُن کے

محسن و قبح پر اپنی رائے لگائیں۔ اس طرح معلوم ہوتا رہیگا کہ طلبہ کی عقل اخلاقی نے کس درجہ تک ترقی کی ہے۔
 (۴) تاریخ۔ سوانح عمری۔ قصص و حکایات اور کتب اخلاق میں سے جو سرمایہ اور مصالح ہم پہنچ سکے اُس کو کام میں لانا چاہئے۔ اخلاقی اصول کو کسانوں کے پیرایہ میں بیان کرنا بالخصوص مبتدیوں کو اخلاق سکھانے کا نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ اس لئے درسی کتابوں کے مرتب کرنے میں اس بات کی احتیاط رکھنی لازم ہے کہ اُن میں واقفیت عامہ کو بڑھانے والے مضامین کے علاوہ اخلاقی تعلیم کا بھی کافی سرمایہ ہو۔

غرض طلبہ میں ایسی قابلیت پیدا کرنی چاہئے کہ وہ اپنے چال چلن کا دستورِ عمل خود مقرر کر کے اُس پر عمل کریں۔ افعال کے حسن و قبح کو سمجھیں۔ اُن کے نتائج پر غور کریں اور اپنی رائے قائم کریں۔ یہی تربیت اخلاق کی علتِ غائی ہے۔

فصل ششم۔ فضائل اخلاق

۶۸۔ فضائل اخلاق | اب ہم چند فضائل اخلاق پر بحث کرتے ہیں اُن کی ضرورت اور اُن کے سکھانے کا طریقہ بتاتے ہیں اس کے بعد ردائیل مزاج کا ذکر کریں گے۔ تربیت اخلاق کی تکمیل کے لئے ضرور ہے کہ ہم کو فضائل اور ردائیل

دونو سے بخوبی واقفیت ہو۔ تاکہ اول کو اختیار اور دوم سے اجتناب کریں *

خاص خاص فضائل اخلاق یہ ہیں۔ راستی - عدل - مہربانی
حیا - محنت - اطاعت و آزادی - اعتدال - ان میں سے
ہر ایک کا پورا پورا حال بیان کیا جائے گا *

اول - راستی

۶۹۔ راستی اور اُس کی فضیلت | راستی وہ خصلت ہے جس کے ذریعے سے ہمارے اقوال - افعال اور خیالات ظاہر و باطن میں یکساں ہوں۔ اسی کو سچ یا سچائی کہتے ہیں۔ یہ وصف تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اور بذاتِ خود جملہ فضائل اخلاق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اول اول سچے کی طبیعت میں نہ تو اتنا زور ہوتا ہے اور نہ اُس کو اتنا تجربہ ہی ہوتا ہے۔ کہ اس خصلت کی عظمت کو بخوبی سمجھ سکے تاہم اس کی خوبی کا اثر فطرۃً اس کے دل میں مرکوز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب بچہ جھوٹ بولتا ہوا پکڑا جائے تو بہت شرمندہ ہوتا ہے اور اگر کوئی اُس کو جھوٹا سمجھے تو ناراض ہوتا ہے *

۷۰۔ راستی کی خلاف ورزی | راستی یا سچ کے برخلاف

دروغ یا جھوٹ کا لفظ بولا جاتا ہے یہ عادت بھی صرف قول تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جیسا راستی

کی تعریف میں بیان ہوا ہے۔ ہمارے اقوال افعال اور خیالات سب پر حادی ہے۔ اس لئے راستی کے خلاف عمل کرنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً۔

- (۱) جان بوجھ کر خلاف واقعہ بیان کرنا +
(۲) تصور کرنا اور پھر فضولی عذر اور حیلے پیش کرنا یا جھٹیں چھانٹنا +

(۳) واقعات کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا خواہ محض بے پروائی سے ہو۔ خواہ اپنی قہقہہ اور شان و شوکت ظاہر کرنے کی غرض سے +

(۴) مبہم الفاظ کا استعمال کرنا اس غرض سے کہ مخاطب کا ذہن امر واقعی سے جھوٹ کی طرف مائل ہو جائے +
(۵) ریا کاری یعنی خاموشی یا دیگر حرکات و سکنات کے ذریعے سے اپنی حیثیت اور عزت بڑھانے کے لئے ایسی باتوں کو مشہور کرانا جن سے لوگوں کے دلوں پر خلاف واقعہ اور غلط اثر پیدا ہو +

(۶) وعدہ خلافی کرنا۔ خواہ غفلت سے اُس کو انجام نہ دیا جائے۔ خواہ اس وجہ سے کہ بے سوچے سمجھے ایسا وعدہ کر لیا۔ جس کا ایفا اپنی قدرت سے باہر ہو +

(۷) کذب فی الافعال (عملی دروغ) یعنی ایسا کام کرنا جو دیانت کے خلاف ہو۔ مثلاً امتحان کے وقت ایک رکن کا دوسرے کی نقل کرنا یا اُس سے کچھ پوچھ لینا +

۷۱۔ راستی سکھانے کا طریق طلباء کو راستی سکھانے کیلئے

مستحکم کو ذیل کے محرکات سے کام لینا چاہئے +

- (۱) اُستاد کو اپنے ڈھنگ اور برتاؤ سے یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ سچ بولنا معمولی بات ہے اس لئے راستی کے صلے میں انعام وغیرہ دینا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ انعام کا لالچ اس عادت کو طلبہ کے دلوں میں مستحکم نہیں ہونے دے گا۔ جب تک انعام کی امید ہے اُس وقت تک سچ بولیں گے۔ جب یہ امید منقطع ہو جائے گی اُس وقت سچ بولنے کا کوئی محرک نہ رہے گا۔ حالانکہ ہمارا مقصد ہے کہ یہ لکھ اُن کی طبیعت میں راسخ ہو جائے۔ اور اُس کی عظمت اُن کے دلوں میں گھر کر جائے۔ اس لئے لازم ہے کہ جو لڑکے سچ بولنے والے ہیں اُستاد اُن کی بات پر بھروسہ اور اعتماد کرے۔ راستی کا یہی بڑا صلہ ہے +
- (۲) شک رکھنا اور بدگمانی کرنا کسی حالت میں درست نہیں ہے۔ اگر کسی لڑکے پر جھوٹ ثابت نہ ہو تو اُس سے بدگمان رہنا فضول ہے۔ برعکس اس کے جب کسی کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو اس صورت میں بدگمانی کا موقع نہیں رہا۔ بلکہ پورا یقین ہو گیا۔ اُس کا قرار واقعی استاد کرنا چاہئے۔ بدگمانی سے کیا کام چل سکتا ہے +
- (۳) راستی کی عادت بہ تدریج ڈالنی چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی لڑکا جھوٹ بولے تو اُستاد کو چاہئے کہ اول نرمی سے اس طرح

فہمائش کرے۔" مجھے تمہاری اس حرکت پر بڑا تعجب اور افسوس ہے۔ تمہاری یہ حرکت نہ صرف تم کو بلکہ تمام مدرسہ کو بد نام کرتی ہے وغیرہ۔ اگر فہمائش کا رگر نہ ہو تو اپنا اعتماد اٹھانا لینا چاہئے۔ اور جب تک بخوبی ثابت نہ ہو جائے کہ اُس نے جھوٹ بولنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اُس وقت تک اُس کی کسی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ اگر جھوٹ کی عادت کسی بچے میں اس قدر مستحکم ہو گئی ہو کہ ان نرم تدابیر سے اُس کا استیصال ممکن نہ ہو۔ اُس وقت سخت سزا دینی مناسب ہے +

(۴) اگر کوئی لڑکا اپنے قصور کا اعتراف کرے اور سچے دل سے اُس پر پشیمان ہو کر آئندہ اُس سے باز رہنے کا وعدہ کرے تو اُس کو مُعاف کر دینا چاہئے۔ بلکہ سب لڑکوں کے سامنے اُس کی تعریف بھی کرنی چاہئے +

(۵) راستی زیادہ تر تقلید کا نتیجہ ہے۔ اس لئے پُر ضرورت ہے کہ اُستاد اپنے اقوال و افعال میں راستباز ہو۔ اپنے وعدوں کو پورا کرے۔ مہنسی دل لگی میں بھی مطلق جھوٹ نہ بولے اور بچوں کے والدین اور وہ لوگ جن کی صحبت میں وہ ا بیٹھتے ہیں سب کے سب اس صفت کے ساتھ موصوف ہوں +

(۶) بڑی عمر کے سمجھ دار طلبہ کو راستی کے فائدے اور جھوٹ نقصان بھی بتانے چاہئیں۔ اور مجلسی منگلی۔ اخلاقی اور مذہبی اعتبار

سے اُس کی غفلت اُن کے دلوں پر نقش کرنی چاہئے۔
 ۷۲۔ جھوٹ کے محرکات | اب ہم اُن باتوں کو بیاں کریں
 گے جن کی وجہ سے طلبہ جھوٹ بولنا شروع کرتے ہیں۔
 راستی سکھانے کے لئے مُعلم کو اُن سے واقف ہونا بھی ضروری
 ہے۔

(۱) سب سے بڑا محرک جھوٹ بولنے کے لئے اُستاد کی
 نا واجب سختی اور بیجا تشدد ہے۔ جب طلبہ کو اُستاد کی سختی
 سے بچنے کے لئے کوئی مضر نظر نہیں آتا۔ تو وہ سزا کے خوف
 سے جھوٹ بول کر اپنی جان بچاتے ہیں اس لئے اُستاد
 کا برتاؤ طلبہ سے معقول اور نرم ہونا چاہئے۔
 (۲) خود بینی بھی دروغ گوئی کا محرک ہوتی ہے۔ اس لئے
 اُستاد کو لازم ہے کہ اپنے ہمسروں سے سبقت لیجانے کا
 خیال جو لڑکوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اُس کو حد اعتدال
 پر قائم رکھے۔ اگر اُستاد ہوشیار لڑکوں کی زیادہ تر تعریف
 کرے یا اُن کو بہت کچھ انعام وغیرہ دیکر اپنی خاص رضامندی
 کا اظہار کرے تو لڑکے خود بخود یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اپنے
 سبقوں کو محنت سے یاد کرنا ہی اُستاد کی نظروں میں وقعت
 پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے راستی جیسی ضروری
 صفت کو بیچ اور فضول سمجھ کر اس کی طرف توجہ نہیں
 کرتے پس یہ عام قاعدہ اُستاد کو مد نظر رہنا چاہئے۔ کہ
 اخلاقی صفتوں کو (جن کی جڑ راستی ہے) سبقوں کی

تیاری وغیرہ پر ہمیشہ ترجیح دے *
 (۳) بچوں کو بہت کھینچ تان کر راستی کی طرف لانا
 بھی اکثر اُن سے جھوٹ بُلواتا ہے۔ مثلاً جماعت کے روبرو
 اُستاد کسی لڑکے سے جو مذہبی فرائض سے غافل ہو۔ یہ
 پوچھے کہ تم باقاعدہ طور پر اپنے مذہبی فرائض جیسے نماز
 روزہ پوجا پاٹ وغیرہ کو پورا کرتے ہو یا نہیں؟ تو ایسی
 صورت میں اِس کو اپنی عزت کے قایم رکھنے کا خیال
 جھوٹ کی طرف مایل کرے گا اور وہ یہی جواب دے گا
 کہ ”ہاں جناب میں اِن کو برابر پورا کرتا ہوں۔“ اُستاد کو
 اُصیاط رکھنی چاہئے کہ اپنے شاگردوں کو ایسی کسوٹی پر نہ
 کسے *

(۴) اکثر اوقات بچے ہنسی مذاق میں جھوٹ بولنا سیکھتے ہیں
 اور رفتہ رفتہ اُن کو عادت ہو جاتی ہے۔ اُستاد کو اِس کی
 بھی اجازت نہ دینی چاہئے *

۷۳۔ غمازی اور اُس کے نقصان راستی کا بیان ختم کرنے
 سے پہلے غمازی یا چغل خوری کا ذکر کرنا بھی ضروری
 ہے۔ بعض لڑکے غلطی سے اِس عادت کو بھی راستی میں
 داخل سمجھتے ہیں۔ اُستاد کو چاہئے کہ اِن دونوں کا فرق
 لڑکوں کو سمجھا دے۔ غمازی سے ہماری مراد وہ عادت
 ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اُن تمام عیبوں کو جو
 دوسروں کے چال چلن میں اُس کو معلوم ہوتے ہیں۔

بیان کر دیتا ہے۔ جب اُستاد کسی معاملہ کا حال اپنے شاگردوں سے دریافت کرے تو اُن کو دلیری کے ساتھ صاف صاف بلا کم و کاست اصل حقیقت بیان کر دینی چاہئے۔ یہی مقتضائے راستی ہے۔ مگر بلا استفسار خواہ مخواہ دوسرے لوگوں کی باتیں اُستاد تک پہنچانا غمازی ہے۔ اور یہ سخت عیب ہے۔ یہی عادت ترقی کر کے رفتہ رفتہ جھوٹ بولنے کا باعث ہوتی ہے۔

جس مدرسہ میں طلبہ کو غمازی کی عادت ہوتی ہے۔ وہاں طح طح کی خرابیاں ظہور میں آتی ہیں۔ مثلاً -
(۱) اُستاد اور شاگردوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا۔ حالانکہ مدرسہ کی خلاقی حالت کو ترقی دینے کے لئے یہ بات ضروری ہے۔

(۲) غمازی کرنے والے کے حق میں بھی اس کا نتیجہ مضر ہے کیونکہ وہ اپنے تئیں گویا ایک محتسب سمجھنے لگتا ہے جس کا کام دوسروں کے چال چلن کی نگرانی رکھنا ہے۔ اور اسی وجہ سے خود اپنے چال چلن کی اصلاح سے غافل رہتا ہے۔ یہ عادت اول اول بلا شک راستبازی کے خیال سے پیدا ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ دروغ گوئی کا باعث ہو جاتی ہے۔

(۳) جس کی چغلی کھائی جائے اُس پر بھی اُس کا اثر بُرا پڑتا ہے۔ اُس کو چغلی کھانے والے اور مُعلم دونوں سے ایک

عداوت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب وہ نہ تو اُستاد کی نمائش پر کان دھرے گا۔ اور نہ سزا سے کچھ فائدہ اٹھائے گا۔

(۴) اُستاد کے لئے بھی مُضر ہے۔ یہ بات حُسن انضباط کے خلاف ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شاگردوں کے دل میں اُستاد کی قدر و منزلت نہیں رہتی۔

۷۴۔ غمازی کا انسداد اگرچہ عام قاعدہ یہی ہے کہ جب تک اُستاد کسی قصور کو چشمِ خود معائنہ نہ کرے۔ کسی کے کئے سُننے پر عمل نہ کرے مگر اس میں شک نہیں کہ بعض موقعے ایسے بھی نکلیں گے کہ کسی خاص بُرائی کو روکنے کے لئے اُستاد کو طلبہ سے مدد لینے اور اُن سے استفسار کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ تاہم طلبہ کو اناپ شناپ ہر بات کی رپورٹ کرنے یا یوں کہو کہ غمازی کی عادت سے روکنا ضروریات سے ہے۔ اس کے علاج یہ ہیں۔

(۱) جس لڑکے میں یہ عادت پائی جائے اُستاد اُس کو علیحدہ تنہائی میں بلا کر نصیحت کرے۔

(۲) تعلیم کے وقت جماعت کے سامنے اس عادت کے نقصان بیان کرے۔

(۳) مَچھل خوروں کی باتوں پر کچھ دھیان نہ کرے اور اگر وہ باز نہ آئیں تو اُن کو تنبیہ اور چشمِ نمائی کرے۔

دوم۔ عدل

۷۵۔ عدل اور اُس کی قسمیں | عدل سے مراد ہے

دوسروں کو اُن کا حق پہنچانا۔ جس میں تعصب طرقداری اور خود غرضی کا مُطلق دخل نہیں۔ عدل کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں۔ دیانت اور صاف دلی ۛ

(۱) دیانت۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ دوسروں کے مال کو اس نظر سے دیکھنا کہ وہ اُن کا مال ہے اور ہمارا اُس پر کوئی حق نہیں ہے۔

(ب) صاف دلی۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ دوسرے لوگوں کی خصلت اور خیالات کو ایسی نظر سے دیکھنا کہ جیسے وہ فی الحقیقت ہیں ۛ

۷۱۔ دیانت راستی کی طرح دیانت کی غفلت بھی بچہ اچھی

طرح نہیں سمجھ سکتا۔ تاہم اتنا ضرور جانتا ہے کہ دیانت اچھی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی چیز چُرلے تو بہت ناراض ہوتا ہے۔ یا خود چوری کرتا ہوا پکڑا جائے تو مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہے ۛ

غریبوں کے بچوں میں عموماً دیانت کم پائی جاتی ہے۔ اُن کے ماں باپ اپنی مفلسی کی وجہ سے ان کی ضرورتوں اور خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ دوسرے بچوں کی چیزیں چُر لیتے ہیں اُستاد کو ایسے بچوں کی تربیت کا خاص کر خیال رکھنا چاہئے ۛ

جو شخص دیانت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اُس کو بد دیانت اور اُس کے فعل کو بد دیانتی کے نام سے

موسوم کرتے ہیں۔ بد دیانتی گناہ بھی ہے۔ اور جرم بھی۔ بد دیانتی کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:-
 (۱) دوسروں کا مال چُرا لینا یا زبردستی چھین لینا۔ یا کسی کی امانت میں خیانت کرنا۔

(۲) پائی ہوئی چیز کو اپنے قبضے میں رکھ لینا اور اس کے مالک کو تلاش نہ کرنا۔

(۳) مستعار چیز کو بے پردائی یا غفلت سے خراب یا ضائع کر دینا۔

(۴) بیش قیمت چیز کو دیدہ و دانستہ ارزاں قیمت پر خرید لینا۔

(۵) دوسرے لوگوں کی چیز پر حسد کرنا کہ ہائے یہ چیز ہمارے پاس نہیں ہے یہ بھی ایک طرح کی بد دیانتی ہے۔

(۶) امتحان کے وقت اپنے ہم جماعت طلبہ کے جوابات کی نقل کرنا۔

(۷) دوسرے لڑکوں کو چپکے چپکے یا اشاروں کے ذریعے سے جوابات بتانا۔

۷۷۔ دیانت سکھانے کا طریق

بچوں کو دیانت سکھانے میں بھی انہی محرکات کا استعمال کرنا چاہئے۔ جو راستی کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ علاوہ بریں مفصلہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

(۱) اگر کسی لڑکے کی بد دیانتی ثابت ہو جائے تو اُس کا

اعتبار نہیں کرنا چاہئے تا وقتیکہ وہ اپنے آئندہ چال چلن کے ذریعے سے اس بات کو ثابت نہ کر دے کہ اُس نے اس عادت کو ترک کر دیا ہے +

(۲) اگر کوئی لڑکا دیدہ و دانستہ بد دیانتی کا مرتکب ہو اور تعلیم و تلقین کا اس پر کچھ اثر نہ ہو تو اُس کو سخت سزا دینی چاہئے +

(۳) جو لڑکا پائی ہوئی چیز کو اُستاد کے سامنے لا کر پیش کرے اُس کی تعریف کرنی چاہئے تاکہ دوسرے لڑکوں کو دیانت کی ترغیب پیدا ہو +

(۴) خود اُستاد کو اعلیٰ درجہ کا دیانت وار ہونا چاہئے گری پڑی یا پائی چیز کو کبھی بھول کر بھی اُستاد اپنے تصرف میں نہ لائے +

(۵) بچوں کو بد دیانتی اور لالچ سے نفرت دلانے کے لئے قناعت اور سخاوت کی عادت ڈلوانی چاہئے +

۷۸۔ صاف دلی | یہ وہ فضیلت ہے جس کے ذریعے سے

ہم دوسرے لوگوں کی خصلت اور خیالات کی نسبت بہ نظر انصاف رائے لگاتے ہیں اس کی باقاعدہ تربیت نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کا اثر صرف ہماری خصلت پر ہی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کی خصلت پر بھی ہوتا ہے۔ صاف دلی کے خلاف عمل کرنے کی کئی صورتیں ہیں

(۱) دوسرے لوگوں کے افعال کو بُری نظر سے دیکھنا اور اُن میں بُرائی کا پہلو نکالنے کے درپے ہونا +
 (۲) دوسروں کی لیاقت - قابلیت یا اُن کے اغراض کی تحقیر کرنا +

(۳) اُن کے اقوال یا خیالات کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا - یا اُن میں سے ضروری باتوں کو نظر انداز کر دینا یا اصل مطلب کو خبط کر کے جُداگانہ پیرایہ میں ادا کرنا - تاکہ لوگوں پر اُس کا بُرا اثر پڑے -

۷۹۔ صاف دلی سکھانے کا طریق | چونکہ صاف دلی راستی کی ایک شاخ ہے اِس لئے اِس خصلت کی تربیت میں بھی اُنہی امور کا لحاظ رکھنا چاہئے - جو راستی کے باب میں بیان ہوئے ہیں - اِس کے علاوہ ذیل کی باتوں کا خاص طور پر خیال رکھنا لازم ہے -

(۱) اُستاد کو شاگردوں کے افعال و حرکات کی پوری پوری داد دینی چاہئے - اُن کی خوبیوں کی واجبی تعریف کرنی چاہئے - اور ان کے عیوب اور قصوروں کو رنگ آمیزی اور مبالغہ کے ساتھ بیان نہیں کرنا چاہئے +

(۲) چونکہ یہ وصف خود بینی خود پسندی اور حسد وغیرہ کی وجہ سے زایل ہو جاتا ہے - اِس لئے مہربانی اور عجز و انکسار کی تعلیم سے طلبہ صاف دلی کا سبق بالضرور سیکھیں گے +

سوم - مہربانی

۸۰۔ مہربانی اور اُس کی فضیلت مہربانی ایسا وصف ہے

جو ہم کو دوسرے لوگوں کو خوش کرنے اور اُن کی خوشی کو ترقی دینے کی ہدایت کرتا ہے ۔

یہ وصف نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ کیونکہ تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہی ہے کہ ہم نوع انسان کی خوشی کو ترقی

دیں۔ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔ اور اپنے مزاج اور طبیعت کو قابو میں رکھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس شخص نے

علم حاصل کیا مگر اپنی خود غرضی کے دائرے سے نکل کر حتی الامکان دوسروں کو فیض نہ پہنچایا اُس نے اپنے

علم و فضل کو خاک میں ملایا۔ اور اپنی عمر کو بے فائدہ گنویا انسان مدنی الطبع اور دوسروں کی مدد کا محتاج ہے۔

اور ہر قسم کے آدمیوں سے اُس کو روز مرہ کام پڑتا ہے اگر ہر شخص اپنے ہی مطلب سے مطلب رکھے اور

اوروں کی ضرورتوں اور حقوق سے چشم پوشی کرے تو دنیا کی وبال ہو جائے۔ زمانہ طالب علمی کا بھی یہی حال ہے۔

طلبہ پر اپنے ہم کمتبوں کی گفتار۔ کردار اور اوضاع و احوال کا بہت اثر پڑتا ہے۔ اُن کی خوشی اور تکلیف ایک حد

تک اسی پر منحصر ہے کہ دوسرے طلبہ اُن کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ استاد کو مدرسہ میں اس شریف

خصلت کی تعلیم دینے کا بہت موقع ملتا ہے۔ کیونکہ وہاں بہت سے بچے بل جُل کر تعلیم پاتے ہیں بچوں کو ایک دوسروں کے ساتھ مہربانی کرنے کی تعلیم دیتے وقت یہ بیش بہا گُر اچھی طرح ذہن نشین کر دینا چاہئے کہ ”ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگران میسند“
 ۸۱۔ مہربانی کی خلاف ورزی مہربانی کے خلاف عمل کرنے

کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں :-

- (۱) اپنی خود غرضی کی وجہ سے دوسروں کی مصیبتوں میں ہمدردی ظاہر نہ کرنا *
- (۲) دُشمنی اور اکھڑپن سے دوسروں کو آرام و آسائش پہنچانے سے انکار کر دینا *
- (۳) زبانی گفتگو اور اطوار میں آداب و اخلاق کا لحاظ نہ رکھنا *

(۴) دوسروں کو نام و صہرنا جو اُن کو بُرائی لگے *

(۵) ایسی ہنسی یا ول لگی کرنا جس سے دوسروں کو نقصان یا تکلیف پہنچے *

(۶) غریبوں اور بد صورتوں کی ہنسی اُڑانا *

(۷) طاقتوروں اور زبردستوں کا کٹوروں اور زیر دستوں پر ظلم و تعدی کرنا۔ جانوروں کو تکلیف دینا اور اُن کے ساتھ بے رحمی کرنا بھی اسی میں داخل ہے *

بچوں میں جو نا مہربانی کی خصلت پائی جاتی ہے۔ وہ

زیادہ تر غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے ہوتی ہے وہ اپنے اقوال و افعال اور اُن کے نتائج کو نہیں سمجھ سکتے ہیں اسی وجہ سے اُن کی یہ خصلت جرم اور گناہ کے دُور کو نہیں پہنچتی ہے۔ تاہم اُستاد کو اُس سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے۔

۸۲۔ مہربانی سکھانے کا طریق بچوں کو مہربانی سکھانے

کے لئے مفصلہ ذیل ہدایتوں پر عمل کرنا چاہئے:-

(۱) ہر ایک بات کی حُسن و قبح اور اُس کے نتائج پر غور و غوض کرنے کی عادت ڈلوانی چاہئے +

(۲) مہربانی کرنے سے خود بخود روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جو بچے کسی کے ساتھ مہربانی کریں اُن کو اُس کے صلہ میں انعام وغیرہ دینے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ وہ انعام کے لالچ سے مہربانی اختیار کریں گے۔ نہ کہ دل کی اُمنگ سے +

(۳) اُستاد کی طرف سے مہربانی کا صلہ بھی کافی ہے کہ وہ مہربانی کرنے والے بچوں کے ساتھ اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور اُن پر اعتماد رکھے +

(۴) مہربانی سکھانے میں سختی سے کبھی کام نہیں لینا چاہئے۔ البتہ اگر کسی بچے کی طبیعت ظالمانہ اور بے رحم ہو تو ایسی حالت میں اُس کی اصلاح کے لئے سزا دینی مناسب ہے +

(۵) سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ خود اُستاد مہربان ہو اور اپنے شاگردوں کے ساتھ نرمی اور ہمدردی سے برتاؤ کرے تاکہ وہ اُس کی تقلید سے مہربانی سیکھیں۔ چہارم۔ جیا

۸۳۔ جیا اور خود بینی جیا ایک قسم کی تواضع ہے یعنی اپنی حیثیت سے بڑھکر اپنے تئیں نہ سمجھنا۔ جیا دار بچے غور اور خود ستائی سے باز رہتے ہیں۔ اور اگر کسی قصور پر اُن کو زبرد توہنج کی جائے تو اُس کو چپ چاپ برداشت کرتے ہیں۔

جیا کی ضد خود بینی ہے جس کے معنے ہیں نا واجب غور اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ جس کے ہم مستحق نہیں ہیں۔ یہ بہت بُری خصلت ہے۔ اس سے یہ نقصان ہیں:-

(۱) خود بین اپنی شیخی اور گھنڈ کی وجہ سے تحصیل علم و اخلاق سے بے بہرہ رہتا ہے۔

(۲) جھوٹے دعووں اور لاف و گزاف کی وجہ سے دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔

۸۴۔ خود بینی کا انسداد چھوٹے بچوں میں خود بینی بہت ہوتی ہے اُستاد کو چاہئے کہ اس عادت کو ترک کرانے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ جو خوبیاں بچوں میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کی داد دینا بجائے

یا اُن کی قدر نہ کی جائے بلکہ صرف اِس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ تعریف کے موقع پر تعریف کی جائے اور وہ بھی ایک خاص مقدار اور اندازہ کے ساتھ۔ جہاں کہیں زجر و ملامت کی ضرورت ہو وہاں زجر و ملامت سے کام لینا چاہئے۔ اگر کوئی بچہ اپنی جھوٹی شیخی اور لاف و گزاف کی حکایت بیان کرے تو اُس کی بات پر دھیان نہ کرنا چاہئے۔ بڑی عمر کے طلبہ کو خود بینی کے نقصان بخوبی بتا دینے چاہئیں۔ کہ خود بینی اُن کی عزت کو کھو دیتی ہے۔ دوسرے لوگ اُن کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ اور اُن کو ذلیل سمجھتے ہیں +

۸۵۔ حیا کی افراط و تفریط حیا کی افراط یا حد سے زیادہ

بڑھ جانے کو حجاب یا عدم موانست سے موسوم کرتے ہیں۔ اور حیا کی تفریط یعنی حد اعتدال سے گھٹ جانا بے یاسی یا شوخ چہرے کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے + حجاب یا زیادہ شرمیلا پن کم و بیش سب بچوں میں پایا جاتا ہے۔ جبکہ وہ کسی نئی جگہ جاتے ہیں مگر تھوڑے عرصے میں یہ جھجک خود بخود جاتی رہتی ہے۔ اگر نہ جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ عیب ہے۔ اور یا تو قدرتی بردلی کی وجہ سے یا تنہا رہنے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ میل و جول نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اِس کا علاج یہ ہے :-

(۱) اُستاد جماعت میں ایسے لڑکوں کو جرأت و ہمت دلائے۔ مدرسہ کے وقت کے علاوہ بھی کبھی کبھی بات چیت کر کے اُن کا دل بڑھائے +

(۲) ہم عمر بچوں کے ساتھ اُن کے ملنے جلنے کا سامان مہیا کرے +

بے باکی یعنی اپنے تئیں بہت کچھ سمجھنا۔ اپنی حیثیت سے بڑھکر قدم رکھنا اور ایسی باتیں کرنا جو اپنی بساط سے باہر ہوں یہ عیب اکثر بچوں میں محض خود بینی کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس عیب کو دور کرنے کے لئے وہی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جو اوپر خود بینی کے ذکر میں بھی گئی ہیں۔ مگر بعض صورتوں میں بے باکی۔ تیزی طبع کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس کا علاج کچھ مشکل نہیں ہے۔ اُستاد کو چاہئے کہ ایسے لڑکوں کی باتوں کی کچھ پروا نہ کرے بلکہ جو لڑکے جیادار ہوں اُن کی طرف توجہ کرے۔ اور اُن کی تعریف کرے۔ جن لڑکوں کی بے باکی بہت زیادہ بڑھ جائے اُن کو سزا دینی چاہئے +

پنجم۔ محنت

۸۶۔ محنت کی عظمت کوئی کام محنت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ انسان کی ترقی۔ کامیابی اور بہبودی محنت پر منحصر ہے۔ اپنے فرائض منصبی کو محنت کے ساتھ انجام دینے

سے طبیعت کو ایک قسم کی فرحت حاصل ہوتی ہے اس لئے ہر شخص کو محنت کا عادی ہونا نہایت ضروری ہے۔ بچے محنت کی قدر نہیں سمجھتے عموماً محنت سے جی چراتے اور طرح طرح کے حیلے بہانے کیا کرتے ہیں۔ اس لئے اُستاد کا فرض ہے کہ اُن کو محنت کرنے کی عادت ڈالوائے۔

۸۷۔ محنت کے سکھانے کا طریق [بچوں کو محنت کا خوگر

بنانے کے لئے مفصلہ ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا چاہئے +
(۱) سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اُستاد خود جفاکش ہو اور خوشدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے کام میں محنت کرے اُس کو دیکھ کر شاگرد بھی محنت کرنی سیکھیں گے +

(۲) بچوں میں قدرتی طور پر کچھ نہ کچھ کام کرنے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ اسی شوق کو مستحکم کر کے اُن کو باقاعدہ محنت کا عادی بنا سکتے ہیں۔ اس لئے اُستاد کو چاہئے کہ طلبہ سے جو کام لے وہ دلچسپ ہو۔ اُن کی سمجھ سے باہر نہ ہو۔ اور اندازہ معینہ سے زیادہ نہ ہو۔

(۳) اگر اس پر بھی طلبہ محنت سے جی چرائیں تو اُس وقت اُستاد کو اپنے رعب داب اور دباؤ سے کام لینا چاہئے۔
(۴) محنت باقاعدہ اور استقلال کے ساتھ لینی چاہئے اور یہ تدبیر اُس میں ترقی ہونی چاہئے +

(۵) بڑی عمر کے سمجھ دار لڑکوں کو محنت کے فائدے

بھی سمجھانے چاہئیں۔ کاہلی۔ بے قاعدگی اور بے سہولتی
یہ تین عادتیں ہیں جن سے محنت میں فتور واقع ہوتا ہے۔
اُستاد کا فرض ہے کہ ان عیبوں کے دور کرنے کے لئے پوری
کوشش کرے۔

۸۸۔ کاہلی (۱) کاہلی اُستاد کو دو قسم کے سُست لڑکوں
سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایک وہ جو بالطبع کاہل الوجود ہوں
یعنی نوشت و خواند کھیل کود وغیرہ کسی کام میں بھی محنت
کرنے کو اُن کا دل نہ چاہے۔ دوسری قسم کے لڑکے وہ ہیں
جو بعض کاموں میں سُست اور بعض میں چالاک
ہوں مثلاً ایک مضمون میں مستعد اور دوسرے میں غیر مستعد
ہوں یا نوشت و خواند میں ناکام اور کھیل کود میں ہوشیار
ہوں۔

پہلی قسم کی کاہلی عموماً کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتی
ہے اس کا علاج زیادہ تر بچوں کے والدین یا سرپرستوں
کے ہاتھ میں ہے۔ مگر مدرسہ میں بھی اس عیب کو دور کرنے
کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اُستاد کو چاہئے کہ ایسے
لڑکوں کو جرأت دلائے اول صرف کھیل کی طرف رغبت
دلائے پھر آہستہ آہستہ اُن سے نوشت و خواند کا کام لے
یہاں تک کہ اُن کو محنت کرنے کی عادت پک جائے۔

دوسری قسم کی کاہلی اکثر لڑکوں میں کم و بیش پائی جاتی
ہے۔ اس کا کچھ مُضایقہ نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ وہ بالطبع شست نہیں ہے۔ اس کاہلی کو ترک کرانے کے لئے اُستاد کو ایسے وسائل کام میں لانے چاہئیں جن سے لڑکوں کو اُس کام کا شوق پیدا ہو جائے جس کی طرف اُن کو رغبت نہیں ہے +

۸۹۔ بے قاعدگی (۲) بے قاعدگی اس عیب کو دور

کرنے کے لئے ذیل کے طریقے استعمال کرنے چاہئیں +
 (الف) پابندی یعنی ہر ایک کام کے لئے ایک وقت معین کرنا اور اُسی وقت پر اُس کام کو پورا کرنا +
 (ب) ترتیب یعنی ہر چیز کے رکھنے کے لئے ایک خاص جگہ مقرر کرنا اور اُسی جگہ اُس کو رکھنا +

(ج) کام کے پورا کرنے کا ایسا انتظام کرنا کہ اُس کا کوئی حصہ رہ نہ جائے جو حصہ زیادہ ضروری ہے اُس پر زیادہ - اور جو کم ضروری ہے اُس پر کم توجہ کی جائے۔

(د) باقاعدہ کام کرنے کے فوائد طلبہ کو ذہن نشین کرائے جائیں۔ اُس سے محنت اور وقت کی بچت ہوتی ہے حقوڑے وقت میں بہت سا کام کر سکتے ہیں وغیرہ +

۹۰۔ بے استقلالی (۳) بے استقلالی یعنی کسی کام

کو دل لگا کر اور باقاعدہ طور پر انجام نہ دینا۔ جس شخص میں استقلال نہیں ہوتا اُس کے کام ناقص اور ادھورے رہا کرتے ہیں۔ کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ استقلال کی قوت بڑی عمر میں پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی طبیعت

میں استقلال نہیں ہوتا۔ اس لئے اُن کو مجبور نہیں کرنا چاہئے۔
 اس کے علاوہ استقلال کی تربیت گھر میں اچھی طرح ہو سکتی
 ہے کیونکہ وہاں بچہ ہمیشہ والدین کے زیر نظر رہتا ہے۔ یہ
 میں بھی ایک حد تک اس فضیلت کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔
 اس لئے استاد کو مفصلہ ذیل وسائل استعمال کرنے چاہئیں۔
 (۱) طلبہ کو کچھ کام دیا جائے اور اُن سے ایک معین وقت
 میں اُس کو پورا کرایا جائے +

(۲) اگر کسی طالب علم میں کوئی بُری خصلت پائی جائے تو اُس
 کو صاف کہ دو کہ اس عیب کو ترک کرو۔ اور اس بات
 کی پوری نگرانی رکھو کہ اُس نے اُس کو ترک کر دیا ہے
 یا نہیں +

(۳) ارادہ صرف ایسے کاموں کا کرنا چاہئے جو ممکن العمل
 ہوں اور جو دقیق کسی کام کے کرنے میں پیش آنے والی
 ہیں اُن کو پٹے ہی سے سوچ لینا ضروری ہے۔
 (۴) کسی کام کے پورا کرنے کا مُصمم ارادہ کر لینا۔ اور بعد
 میں اُس کو چھوڑ دینا سخت مُضر ہے۔ اس سے قوت ارادہ
 کو ضعف پہنچتا ہے۔ اور طبیعت کمزور ہو جاتی ہے۔ اس لئے
 جس کام کا ارادہ کیا جائے اُس کو پورا کرنا چھوڑو۔

ششم۔ اطاعت و آزادی

۹۱۔ اطاعت تربیت کا ابتدائی زینہ ہے۔ تربیت کا پہلا زینہ

صرف اطاعت ہے۔ یعنی بچوں کی ابتدائی تربیت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ اُن کو اپنے والدین اور مربیوں کے احکام کی تعمیل کرنا سکھایا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں میں نیکی بدی کی تیز نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ اپنی طبیعت پر قابو رکھ سکتے ہیں۔ پس سولے اس کے چارہ نہیں کہ والدین یا معلم اُن کو نیک کاموں کی ہدایت کریں اور بُری باتوں سے روکیں اور بچے اُن کی اطاعت کریں +

اکثر والدین بچوں کی تربیت میں بے جا محبت اور ناز برداری کی وجہ سے سخت غلطی کرتے ہیں کہ اُن کی ہر ایک خواہش کو خواہ وہ واجب ہو خواہ نا واجب پورا کر دیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کی ذرا ذرا سی خواہشوں کو روکنا اُس پر سختی کرنا ہے۔ جب بڑا ہو گا تو اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور نیکی و بدی میں تمیز کرنا خود سیکھ جائے گا۔ مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ اس سے دو نقصان پیدا ہوتے ہیں۔ اول تو بچپن کی باتیں طبیعت میں مستحکم ہو کر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں اور بڑے ہو کر اُن کو چھوڑنا ناگوار اور سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ بڑی عمر میں انسان کی طبیعت آزادی پسند ہو جاتی ہے۔ اُس وقت آزادی کے خیال کو روکنا بہت مشکل ہے۔ اور بچہ یہ سمجھے گا کہ مجھے ظلم اور جبر کیا جاتا ہے۔

۹۲۔ اطاعت سکھانے میں دقتیں | بچوں کو اطاعت سکھانے

میں اُن کی طبیعت کی دو خصلتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے
اَوّل بے استقلالی - دوم ضد اور سرکشی +

چھوٹے بچوں میں بے استقلالی کا پایا جانا عیب میں
داخل نہیں ہے - کیونکہ جوں جوں عمر بڑھتی ہے - استقلال
کی عادت رفتہ رفتہ پیدا ہوتی ہے البتہ اگر بڑی عمر کے بچوں
میں استقلال نہ ہو تو عیب کی بات ہے - طلبہ کو استقلال
سکھانے کے لئے جو ہدایتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اُن پر
عمل کرنا چاہئے (دیکھو دفعہ ۹۰) ضد اور سرکشی کا چھوٹے
بچوں میں پایا جانا عیب میں داخل ہے - اُس کو فوراً روکنا
چاہئے +

۹۳ - آزادی بڑی عمر کے بچوں سے اس بات کی توقع
رکھنا کہ جو کچھ ہم کہیں وہ اُس کو آنکھیں بند کر کے تسلیم
کر لیں - سخت غلطی ہے - جوں جوں عمر اور عقل بڑھتی ہے
ہر شخص کی طبیعت میں قدرتی طور پر آزادی کا خیال
پیدا ہوتا جاتا ہے - اس لئے اُستاد کا فرض ہے کہ بڑی عمر
کے طلبہ کو مناسب حد تک آزادی دے اور رفتہ رفتہ
اُن کی آزادی کے دائرے کو وسیع کرتا جائے - اس
کا طریقہ یہ ہے کہ :-

(۱) طلبہ کو ہر ایک کام کا حکم نہ دو بات بات پر روک ٹوک
نہ کرو - اور اُن کے چال چلن کے ہر وقت نگہبان نہ بنے

(۲) ابتدائی تربیت کی وجہ سے جن کاموں کی بھلائی یا بُرائی کو وہ خود سمجھنے لگے ہیں اُن کے کرنے یا نہ کرنے پر بار بار زور نہ دو بلکہ اس بات کو اُن کی رائے پر چھوڑ دو۔

(۳) طلبہ پر اعتماد کرو اور ذمہ داری کے چھوٹے چھوٹے کام اُن کے سپرد کرو۔ اور اُن کو سمجھا دو کہ اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ ہر ایک کام کو سوچ سمجھ کر کرو۔ اگر اُستاد اس اُصول کو مد نظر نہ رکھے اور بڑی عمر کے بچوں پر بھی چھوٹے بچوں کی طرح دباؤ ڈالنا چاہے تو اُس سے سخت مُضر نتائج پیدا ہوں گے۔ کیونکہ ایسی حالت میں بچہ اُستاد کے دباؤ کو نہیں مانے گا۔ اور بتقاضائے عمر اُس کی اطاعت سے نکلنا چاہے تو دونوں کے دلوں میں ضد اور مخالفت پیدا ہو جائے گی۔ اگر بالفرض تشدد اور سختی سے اُستاد نے اُس کو دبا لیا تو بھی اُس کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور اُستاد کی طرف سے اُس کا دل پھٹ جائے گا۔ تعلیم و تربیت کی ایک ضروری شرط یعنی اُستاد اور شاگرد کا باہم یکدلی و یکجہتی سے کام کرنا فوت ہو جائے گی۔ جس سے نہایت خوفناک نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

ہفتم۔ اعتدال

۹۴۔ اعتدال اور اُس کی عظمت | اعتدال کے معنی ہیں

نفس انسانی کے تمام جذبات اور خواہشوں کو اس طح قابو میں رکھتا کہ وہ حد مناسب سے تجاوز نہ کرنے پائیں۔ حکیم ارسطا طالیس کا قول ہے کہ ”اگر فضائل اخلاق کے دس حصے کئے جائیں تو ان میں سے ۹ حصے عدالت و اعتدال کے ہیں۔ باقی ماندہ ایک حصے میں دیگر فضائل ہیں بلکہ عدالت ہی تمام فضائل کا مجموعہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ فضیلت مجملہ فضائل اخلاق پر مشتمل ہے اور تمام فضیلتیں اس میں داخل ہیں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر فضیلت کے واسطے ایک حد معین ہے اور جس وقت وہ فضیلت حد مقررہ سے تجاوز کر کے افراط یا تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے اُس وقت اُس کا شمار زوائل میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ خوبی عیب سمجھی جاتی ہے پس فضائل بمنزلہ اوساط کے ہیں۔ اور زوائل بمنزلہ اطراف کے ہر ایک معاملہ میں افراط و تفریط دونوں سے بچکر وسط و حد اعتدال پر قائم رہنا ہی نیکی ہے۔

۹۵۔ خواہش اور اشتہا علم اخلاق کے عالموں نے انسانی

طبیعت کے تمام جذبات کو جو پورا ہونا چاہے ہیں دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ خواہش اور اشتہا۔

(۱) خواہش۔ طبیعت انسانی کا وہ جذبہ ہے جس کے پورا ہونے سے روح کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً اقدار یا امتیاز حاصل کرنے کی خواہش آزادی کی خواہش کسی

شے کو اپنے قبضہ میں لانے کی خواہش +

(۲) اشتہا۔ یہ وہ جذبہ ہے جس کے پورا ہونے سے جسم کو آرام ملتا ہے۔ مثلاً بھوک۔ پیاس۔ نیند +

خواہش اور اشتہا میں کئی اعتبارات سے فرق ہے +
 خواہشیں۔ مستعدی کے ساتھ اپنا عمل کرتی ہیں۔ اشتہائیں
 کبھی موجود ہوتی ہیں اور کبھی معدوم ہو جاتی ہیں۔ خواہشیں
 رفتہ رفتہ بڑھتی رہتی ہیں۔ اور کبھی انتہا کو نہیں پہنچتیں۔
 اشتہائیں محدود ہوتی ہیں اور پوری ہو جاتی ہیں۔ خواہشیں
 مختلف شخصوں میں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ بلکہ ایک ہی
 شخص کی طبیعت میں بعض خواہشیں زیادہ پر زور ہوتی ہیں
 اور بعض خواہشیں بالکل نہیں ہوتیں۔ اشتہائیں ہر شخص
 میں یکساں زور کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ خواہشوں کے
 پورا ہونے سے انسانی خصلت کمال کو پہنچتی ہے اشتہاؤں
 کا پورا ہونا بقائے زندگی کے لئے ضروری ہے +

خواہشیں اور اشتہائیں بذات خود نہ اچھی ہیں نہ
 بُری جہاں خداے تعالیٰ نے ہم کو اور قوتیں دی ہیں وہاں
 یہ قوتیں بھی دی ہیں۔ اخلاقی رنگ اُن میں اُس وقت
 نمایاں ہوتا ہے۔ جب ہم اُن کا استعمال کرتے ہیں اگر ان کا
 اچھا استعمال کیا جائے تو وہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں
 اور بُرا استعمال کیا جائے تو بدی کے رستہ پر لے جاتی ہیں
 اخلاقی تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ انسانی خواہشوں اور

کو بالکل روک دیا جائے۔ اور نہ یہ غرض ہے کہ اُن کو بے
 روک ٹوک مطلق العنان چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اُس کا منشا یہ ہے
 کہ اُن کو قواعد و ضوابط کا پابند کر کے شاہِ راہِ اعتدال
 پر قائم رکھا جائے۔ اس بارہ میں بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات
 یاد رکھنی چاہئے۔ کہ اگر ہماری خواہشوں کی تعداد بڑھ جائے
 تو چنداں مضائقہ نہیں۔ مگر اشتہاؤں کی تعداد کا بڑھنا
 ہمیشہ مُضر ہوتا ہے۔ اشتہائیں جس قدر مغلوب رہیں اور
 مقررہ حد سے متجاوز نہ ہوں اُسی قدر بہتر ہے۔ اگر ہماری
 عقل پر اشتہائیں غالب رہیں تو ہمارے ملکوئی صفات
 زائل ہو جائیں گے۔ اور ہمارا درجہ حیوانات سے بھی بدتر
 ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حیوانات تو عقل نہ ہونے کی وجہ سے معذور
 ہیں۔ اور ہم باوجود عقل کے اپنی اشتہاؤں کو مغلوب نہیں
 کرتے اور حیوانیت کی طرف مائل ہوتے ہیں :

۵

آدمی زادہ طرفہ معجونے ست

از فرشتہ مرشتہ و ز حیوان ب

گر کند میل این شود کم ازیں

ور کند قصد آں شود بہ ازاں

فصل ہفتم۔ رذائل مزاج

۹۶۔ رذائل مزاج | پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ضبط یعنی اپنے
 نفس کو قابو میں رکھنا اخلاقی تربیت کے لئے کس قدر ضروری

ہے۔ اب ہم مزاج کے اُن بڑے بڑے عیبوں کو بیان کرتے
ہیں۔ جو فضیلت ضبط کی ضد ہیں۔ یہ چار عیب ہیں :-
(۱) ضد یا سرکشی۔ یعنی اپنی بات پر اڑے رہنا اور اُستاد
کا حکم نہ ماننا +

(۲) شکایت

(۳) زود رنجی یا تنک مزاجی +

(۴) غضب +

ان عیبوں کے اسباب اور علاج بھی ساتھ ساتھ بیان
کئے جائیں گے +

۹۶۔ ضد۔ بچے کا ضدی ہونا ایسا عیب ہے۔ جس
سے اُس کے والدین اور اُستاد کو بہت تکلیف ہوتی ہے
چنانچہ ”بال ہٹ“ کا لفظ ضرب المثل ہو گیا ہے۔ یہ عیب
زیادہ تر ابتدائی بد تربیتی کا نتیجہ ہے۔ اور والدین کی
بیجا ناز برداری کی وجہ سے بچوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔
اس عیب کو دور کرنے کے لئے اُستاد کو چاہئے کہ زیادہ
تشدد اور سخت گیری نہ کرے۔ بلکہ محبت و مہربانی
سے بتدریج اُس کو دور کرے +

بعض صورتوں میں مدرسہ کی بد نظمی کی وجہ سے
طلبہ کی طبیعت میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج
صرف یہی ہے کہ اُستاد مدرسہ کا نظم و نسق باقاعدہ
رکھے۔ انصاف اور مہربانی سے برتاؤ کرے۔ اگر اُستاد

لپٹے شاگردوں پر سختی اور تشدد کو روا رکھے گا۔ یا سب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کرے گا تو اُن کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہو جائے گا کہ اُستاد ہمارے فائدے اور اصلاح کی غرض سے نہیں بلکہ حکومت جتانے یا اپنا دل خوش کرنے کی غرض سے ہم کو سزا دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ضد اور مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور اُستاد کا حکم نہیں مانیں گے۔

اس کے علاوہ طبیعت کی کمزوری یا بیماری بھی ضد کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں بھی سخت گیری سخت غلطی ہے۔ بلکہ ہمدردی اور مہربانی سے آہستہ آہستہ اس عیب کو دور کرنا چاہئے۔

ضد کے جو اسباب اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اُن کے علاوہ دو سبب اور بھی ہیں۔ جو خاص کر قابلِ ذکر ہیں۔ یعنی شرارت اور خباثتِ طبع۔ ایسی ضد کے دفیہ کے لئے اُستاد کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔

جن بچوں کی طبیعت میں شرارت ہوتی ہے وہ اکثر اپنے ساتھیوں میں نام پانے کی غرض سے ضد اور سرکشی کیا کرتے ہیں۔ اُن کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ہماری اس جرات اور استقلال کی وجہ سے سب لڑکے ہماری عزت کریں گے اور ہم تمام مدرسہ میں سرکردہ اور سربرآوردہ ہو جائیں گے اس کا علاج یہی ہے کہ اصلی سبب کو رفع کیا جائے۔

یعنی شریر لڑکے کی عزت و عظمت کا خیال دوسرے لڑکوں کے دلوں سے نکال دینا چاہئے۔ اگر اُستاد نے لڑکوں کی ہمدردی کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اور سرکشی لڑکے کی طرف سے اُن کے دلوں کو پھیر دیا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اُس نے شریر لڑکے کو زیر کر لیا۔ اگر پھر بھی وہ اپنی سرکشی سے پیش آئے تو اُس کو مناسب سزا دینے کا رستہ صاف ہے۔

اگر ضد و سرکشی خباثت طبع کا نتیجہ ہو۔ اور جان بوجھ کر

کوئی لڑکا اخلاقی اُصول کی خلاف ورزی کرے تو اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً اُس کو محکم ماننے پر مجبور کیا جائے۔ اور سزا دی جائے۔ اگر وہ اُستاد کے دباؤ کو نہ مانے اور مقابلہ و سرکشی سے پیش نہ آئے تو اُس کو مدرسہ سے نکال دینا چاہئے تاکہ دوسروں پر اُس کا بُرا اثر نہ پڑے۔

۹۸۔ شکایت (۲) شکایت - یہ عیب بھی عموماً ابتدائی بد تربیتی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے بچے بہت کم ہوتے ہیں جن کے مزاج میں قدرتی طور پر یہ عیب پایا جاتا ہو۔ اکثر بچوں کی طبیعت میں ایک قسم کی غیرت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ چھوٹی سوئی تکلیفوں کو سہیلتے ہیں۔ بلکہ اس عادت پر فخر کیا کرتے ہیں۔ آپس کی لڑائی جھگڑوں میں چوٹ لگ جائے تو روتے نہیں۔ مگر جب بچوں کے والدین یا اُستاد ذرا ذرا سی تکلیف اور چوٹ میں اُن کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کی مزاج پُرسی کرتے ہیں۔ اُس وقت بچوں کو

بھی بات بات میں شکایت کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔
 اور بجائے اس کے کہ جوانوں کا صبر و استقلال اور
 دلیری اُن میں پیدا ہو بڑے ہو کر بھی ننھے بچے ہی
 بنے رہتے ہیں +

اس عیب کو دور کرنے کے لئے اُستاد کو یہ تدبیریں اختیار
 کرنی چاہئیں +

(۱) بچوں میں جو غیرت و حمیت قدرتی طور پر پائی جاتی
 ہے۔ اُس کو اُن کی طبیعت میں مستحکم کیا جائے +

(۲) یہ بات بچوں کے ذہن نشین کر دینی چاہئے کہ دنیا کی
 معمولی تکالیف و مصائب کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت
 کرنا جو انمردی اور عزت کی بات ہے +

(۳) بچوں کی خیالی اور مصنوعی مصائب یا چھوٹے موٹے
 دکھ درد کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ اُستاد کو بچوں کا درد
 شریک اور حامی اُسی دقت ہونا چاہئے۔ جبکہ اُن کی تکلیف
 واقعی ہو اور شکایت کی وجہ معقول ہو +

(۴) سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ اُستاد خود مستقل
 مزاج اور متمحل ہو تاکہ اُس کی پیروی سے بچے بھی
 صبر و تحمل کا سبق حاصل کریں +

(۵) اُستاد وقتاً فوقتاً اپنی یا دوسرے لڑکوں کی نظیر دے کر
 جو تکلیف برداشت کرنے کے عادی ہوں شکایت کرنیوالے
 بچوں کو ہمت اور جرأت دلائے +

۹۹- زود ربخی (۳) زود ربخی۔ جس شخص کا مزاج چڑچڑا ہوتا

ہے۔ اُس کی طبیعت میں مہربانی نہیں رہتی۔ اس خصیت سے وہ خود بھی ہر وقت پریشان اور بلا میں مبتلا رہتا ہے اور دوسرے آدمی بھی اُس سے رنجیدہ رہتے ہیں +

یہ عیب بھی ابتدائی بد تربیتی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری بچوں کے والدین پر خاص کر عاید ہوتی ہے اور وہ ہی اس عیب کو بآسانی دور کر سکتے ہیں۔ اُستاد کو اس کے دور کرنے میں بہت دقت پیش آتی ہے۔ کیونکہ زود ربخی بچوں کے آپس کے برتاؤ میں ظاہر ہوتی ہے۔ اُستاد کے سامنے بہت کم ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں اُستاد کو اُس کا علم نہ ہو +

اُستاد اس عیب کو دور کرنے کے لئے یہ علاج کر سکتا ہے۔ (۱) عموماً ہر ایک موقع پر اور خاص کر اُن بچوں کے ساتھ جن کی طبیعت زود رنج واقع ہوئی ہے مہربانی اور شگفتہ مزاجی کے ساتھ برتاؤ کرے +

(۲) طلبہ پر اپنا رعب و اب اس طح قائم رکھے کہ وہ ایک دوسرے کو دق نہ کریں اور غصہ نہ دلائیں۔

(۳) بچوں کا آپس کا میل جول اور ساتھ مل کر کھیلنا بھی اُن کی باہمی محبت بڑھاتا ہے۔ اس لئے یہ تدبیر بھی زود ربخی کی عادت کو دفع کرنے کے لئے موثر ثابت ہوگی +

(۴) جن بچوں کی طبیعت میں زود ربخی کی عادت خوب

مستحکم ہو گئی ہو۔ ممکن ہے کہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ اُن کا امیل جول اُلٹا مُضر ثابت ہو اور اُن کے مزاج کا چڑ چڑا پن کھیل کود کے وقت میں بھی اپنا رنگ دکھائے۔ ایسے لڑکوں کا علاج یہ ہے کہ اُن کو کچھ مدت تک کھیل میں شامل ہونے سے روک دیا جائے۔ اور اُن کو صاف طور پر بتا دیا جائے کہ تمہاری بد مزاجی سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے تم کو اُن کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہیں دیجا سکتی اس تدبیر سے رفتہ رفتہ اُن کے مزاج کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

۱۰۰۔ غضب (۴) غضب۔ اکثر صاف دلی۔ وقار۔ یا کمالت

کے خیال سے پیدا ہوتا ہے۔ بچوں کا غصہ اکثر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ظاہر ہوا کرتا ہے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ وہ اُستاد کے مقابلہ میں اپنا غصہ ظاہر کریں +

حالت غضب میں نہ تو بزرگوں کا پاس ادب رہتا ہے۔ اور نہ ہمعروں اور چھوٹوں سے مہربانی کا خیال رہتا ہے۔ اُستاد کو اس بات کی احتیاط رکھنی لازم ہے کہ ایسا نہ ہو غضب کو دور کرتے وقت وقار اور خود داری جیسی شریف خصلت ہی کو بچے کی طبیعت سے دور کر دے۔

غضب کا علاج یہ ہے

(۱) چونکہ غضب کی وجہ سے بزرگوں کا ادب اور اپنے ہم عروں اور چھوٹوں سے مہربانی کا خیال نہیں رہتا ہے۔ اس لئے۔ ادب اور مہربانی کی تعلیم قوت غضبی کو زیر کرنے کے لئے

نہایت مُفید ہے +

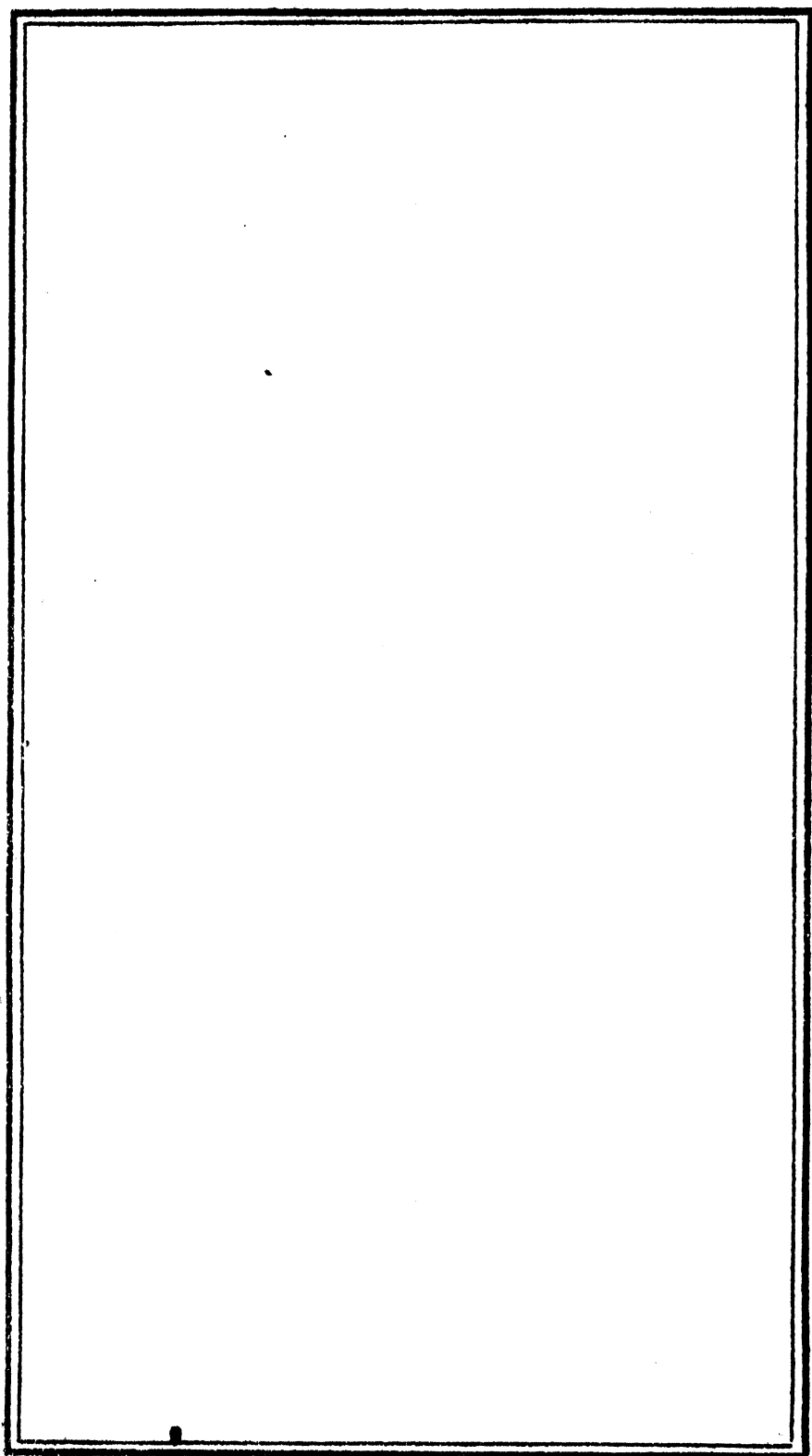
(۲) غضب کو دور کرنے کے لئے سختی اور تشدد کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ اس سے تو غصہ اور زیادہ بھڑکتا ہے۔ بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ جس شے کے لئے بچہ غیظ و غضب میں آئے اُسٹاد وہ شے اُس کو حاصل نہ ہونے دے اور جب بچے کا غصہ دھیا ہو جائے اُس وقت نرمی سے ہمایش کر کے غضب کے نقصان اور ضبط کی خوبیاں اُس کے ذہن نشین کر دے +

(۳) بعض اوقات کسی بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں بلکہ بمقتضائے فطرت انسانی یکایک کسی بات پر غصہ آجاتا ہے۔ اور بعد میں بچہ اپنی اس حرکت پر نادم و پشیمان ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اُسٹاد کا اتنا کہہ دینا کہ ”مجھے اُمید ہے کہ آئندہ تم ایسی حرکت نہ کرو گے“۔ بچے کی اصلاح کی واسطے کافی ہے۔ اور سختی کرنی سخت مُضر ہے +

حصہ اول تمام ہوا +

~~~~~

رکت فزید احمد خان کا تہ ساری



**تصانیف مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب جالی**  
 کتب ذیل مولوی سید عبدالعلی صاحب - میر افضل کی گلی کوچہ پبلیکیشن دہلی  
 سے ملکتی ہیں

|                                                                                          |                                                                                                                                                |
|------------------------------------------------------------------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| (۱) دیوان حالی مع مقدمہ نثر<br>۲۲۸ صفحے - قیمت قسم اول ۳۰۰<br>" " دوم ۴۰۰<br>" " سوم ۵۰۰ | (۲) حیات جاوید یعنی سوانح عمری<br>میر سید احمد خاں مرحوم - ایک ہزار<br>صفحہ کی عمدہ چھاپے کی کتاب ہے - مع<br>تصویر میر سید مرحوم - قسم اول ۳۰۰ |
| (۳) مضامین حالی - ۳۰ مضامین نثر مختلف زمانوں کے ہیں - قیمت ۱۲۰                           |                                                                                                                                                |

## عصر جدید

ایک ماہانہ ریویو

مقاصد: برآمدنی اصلاح - قومی ترقی - پالکس  
 آنریری ایڈیٹر - خواجہ غلام الثقلین بی اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ -  
 سیکرٹری صیغہ اصلاح تمدن محمدن ایجوکیشنل کانفرنس  
 مقام اشاعت - میرٹھ - قیمت ہر سال و غیر ششماہی - اور ۳۰ سال  
 اور غیر ششماہی پیشگی یا بذریعہ ویلیو بیل - تعداد صفحات خالص مضامین (۴۰)  
 درخواستیں - ایڈیٹر یا منیجر رسالہ کے نام میرٹھ آنی چاہئیں

**نوٹ:** - رسالہ عصر جدید یا مضامین کے جو صاحب چار خریدار پیدا  
 کریں انکو ایک رسالہ یا کتاب بطور کمیشن دی جائیگی - اور کتب فروشوں کے  
 ساتھ خاص رعایت کی جائیگی + فقط

# منتخب مضامین خواجہ غلام التقلین

(تعداد صفحات ۱۳۰)۔ اس مجموعہ میں ہیں (قیمت درجہ اول ۸ روپے دوم ۷ روپے)

- |                                                  |                                                                                                  |
|--------------------------------------------------|--------------------------------------------------------------------------------------------------|
| ۱۔ قوموں کے ضعف عقل کی علامات اور زوال کے اسباب۔ | ۵۔ تقریریں بابت اصلاح تمدن و اصلاح رسوم مدارس کافرنس میں اور کھلا خط بنام نواب محسن الملک بہادر۔ |
| ۲۔ قومی انجمنوں کے فرائض۔                        | ۶۔ عصر جدید کے مقاصد                                                                             |
| ۳۔ ہم کو کیا کرنا چاہئے۔                         | ۷۔ صدائے سحر۔                                                                                    |
| ۴۔ قومی ہمدردی                                   |                                                                                                  |

**اصول تربیت** - کے چار خریدار پیدا کرنے والے حضرات کو ایک رسالہ بلا قیمت دیا جائیگا۔ اور مدرسین یا کتب فروش جو کثمت خریدیں ان کے ساتھ رعایت مزید ہوگی۔

# دستور المعالین

حصہ سوم  
فن تعمیر  
بنابر

افادہ معلمان و امیدواران امتحان نارمل سکول

ٹریننگ کالج و دیگر شائقین

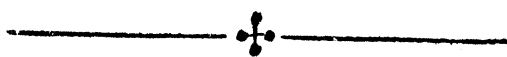
مؤلفہ

مولوی خواجہ غلام احسن ایم۔ ایف۔ ایچ۔ پی۔ یو  
(پنجاب یونیورسٹی) سند یافتہ ٹریننگ کالج لاہور

س ۱۹۰۱ء

مطبع افتخار دہلی میں منشی محمد ابراہیم کاتب نام چھپی

یہ کتاب بادب تمام  
عالی جناب مُعلیٰ لقاب نواب  
صفدر جنگ افتخار الدّولہ فخر الملک بہادر  
معین المہام عدالت و تعلیمات و اُمور  
عامہ سرکار عالی کے  
نام گراہی پر بلا جازت جناب ممدوح  
معنون کی گئی۔\*



## دیباچہ

زلافِ حمد و نعتِ اولیٰ است بر خاکِ دبِ خشن  
بجو دے میتواں کردن درو دے میتواں گفتن

علم کے فوائد اظہر من الشمس ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ زراعت۔ تجارت۔ صنعت و حرفت کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی علم کے بغیر نہیں چل سکتے۔ دانیانِ فرنگ نے جو کچھ ترقی کی اور کر رہے ہیں سب علم کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ حصولِ علم تعلیم پر موقوف ہے اور تعلیم جب تک باقاعدہ نہ ہو اس سے عملی فائدہ بہت ہی کم حاصل ہو سکتا ہے + قدیم زمانہ کے لوگ تعلیم کے کام کو ایک آسان کام سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ہر شخص جو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتا ہے معلمی کر سکتا ہے۔ مگر زمانہ حال میں یہ بات غلط ثابت ہوئی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ بعض آدمی صرف ذاتی تجربہ سے طریقہ تعلیم میں پوری لیاقت بہم پہنچا کر لائق استاد بن گئے ہیں۔ مگر اُنکو عرصہ دراز تک اپنے شاگردوں کا بہت کچھ نقصان کرنے کے بعد یہ بات حاصل ہوئی ہے۔ اگر وہ پہلے ہی اصولِ تعلیم کا مطالعہ کرتے۔ تو بہت غلطیوں سے بچ جاتے۔ اور اپنے کام میں زیادہ تر کامیاب ہوتے +

معمولی پیشوں بخاری۔ آہنگری وغیرہ کے سیکھنے میں بھی کسی سال محنت اٹھانی پڑتی ہے پس کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ معلمی جیسے اہم کام میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے کسی تعلیم کی ضرورت نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ اس بات کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ کہ بچوں کی جسمانی عقلی اور اخلاقی تربیت کرنی اور اُنکی فطرت کو

**حد اعتدال** پر قائم رکھنا معلم ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور آئندہ نسل کی قسمت فیصلہ بہت کچھ اُسی کے قبضہ میں ہے +

ان امور کا لحاظ کر کے گورنمنٹ نے معلموں کی تعلیم کے لئے نارمل سکول اور ٹریننگ کالج جاری کئے ہیں۔ جہاں علاوہ تعلیم علوم مروجہ کے طریقہ تعلیم عملی طور پر سکھایا جاتا ہے۔ اور آجکل معلم کے لئے سند معلمی ایسی ہی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ جیسے ڈاکٹری یا کالت کا ڈپلوما ڈاکٹریا وکیل کے واسطے مدارس المعلمین کے اجرا سے عام مدرسوں میں طریقہ تعلیم کی بہت کچھ ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ اب تک کوئی کتاب ردوزبان میں ایسی تیار نہیں ہوئی جو اصول تربیت و تعلیم کی جامع ہو۔ لہذا میں ایک کتاب موسومہ **اشارات لتعلیم** تالیف ہوئی تھی۔ وہی آج تک پنجاب کے نارمل سکولوں اور ٹریننگ کالج کی سینئر و نیکولر کلاس میں مروج چلی آتی ہے۔ شاید یہ کتاب ابتدا میں مکمل سمجھی جاتی ہو۔ مگر موجودہ ضرورتوں کے پورا کرنے میں کسی طرح کفایت نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب کا نہ صرف **مضمون** غیر مکمل ہے بلکہ اُسکی ترتیب اور بیان بھی بے سقم نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ نارمل سکولوں کے ہڈماسٹروں کو انگریزی کی مختلف کتابوں سے مضامین اخذ کرنے اور طلبہ کو نوٹ لکھانے میں بڑی وقت اٹھانی پڑتی ہے +

میری **غرض** اس کتاب کے لکھنے سے ایک ایسی ضرورت کا پورا کرنا ہے جو مدت سے چلی آتی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب معلموں کو ایک **وस्तور العمل** کا کام دیگی۔

اور اُمیدواران **امتحان سند معلمی** کو امتحان میں کامیاب ہونے کے واسطے پوری رہنما ہوگی۔ اور انکو کسی دوسری کتاب کے مطالعہ کرنے۔ یا بطور خود نوٹ لکھنے اور خلاصہ بنانے کی ضرورت نہیں رہیگی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے۔ اس میں بہت سی خصوصیتیں رکھی گئی ہیں جو شاید بہتیت مجموعی اس علم کی

کسی اُردو یا انگریزی کی کتاب میں نہیں پائی جائیگی۔ ایسے سے بعض کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے +

(۱) مضامین کو مختصر اور مطلب خیر عبارت میں ادا کیا ہے۔ تشریح کے موقع پر تشریح اور مثال کے موقع پر مثال دی گئی ہے۔ اور جہاں ضرورت تھی وہاں نوٹ دیدیا ہے۔ مگر اختصار کو ہر جگہ مد نظر رکھا ہے +

(۲) کتاب کو دفعات میں تقسیم کر کے ہر دفعہ پر نمبر لگا دیے ہیں۔ اور اُس کا عنوان جلی قلم سے لکھ دیا ہے۔ تاکہ ہر ایک بات علیحدہ علیحدہ سمجھ میں آجائے اور مضمون ماقبل و مابعد کا حوالہ دینے میں سہولت ہو +

(۳) مضمون کی تحلیل کتاب کی ترتیب اور تحریر کا ڈھنگ ایسا اختیار کیا گیا ہے۔ کہ ایک نظر ڈالنے سے کل مضمون کا خلاصہ فوراً ذہن میں آجائے۔ اور آسانی کے ساتھ یاد ہو سکے۔ نیز موقع بموقع ہر دفعہ کے عنوان کی تقسیم در تقسیم کر کے نمبر ۱ و ۲ وغیرہ لگا دیے ہیں۔ اور جن الفاظ پر مطلب کا ذہن نشین کرنا خاص کر منحصر ہے۔ انکو جلی قلم سے لکھ دیا ہے۔ ان لفظوں پر توجہ کر لے سو طلبہ تمام دفعہ کا مطلب اپنی عبارت میں ادا کر سکتے ہیں +

(۴) مختلف قسم کے سبقوں پر نوٹ یا اشارے نہایت واضح طور پر لکھے گئے ہیں۔ جن سے معلوم کو ہر قسم کے سبق تیار کرنے اور نوٹ لکھنے کا ڈھنگ بخوبی آسکتا ہے +

(۵) مطالب کو صاف اور آسان کرنے کے علاوہ عبارت کو سلیس۔ با محاورہ اور مربوط بنانے میں حتی الامکان پوری پوری کوشش کی گئی ہے +

(۶) مقررہ اصطلاحوں کے سوا بعض صورتوں میں نئی اصطلاحیں اپنی طرف سے تجویز کی گئی ہیں۔ اور چونکہ اُردو زبان کو اب تک ایک علمی زبان کا درجہ

جہل نہیں ہوا ہے۔ اسلئے اصطلاحات کے واسطے موزوں الفاظ تلاش کرنے میں راقم کو کچھ کم دقت اٹھانی نہیں پڑی +

اس کتاب کے تین حصے کئے گئے ہیں۔ حصہ اول میں تربیت کے اصول اور اغراض۔ جہاں تک سانی کا لوجی (فلسفہ عقلیہ) سے اُنکا تعلق بیان کئے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں نظم و نسق مدرسہ سے بحث کی گئی ہے۔ حصہ سوم میں فن تعلیم اور خاص خاص مضامین کے طریقہ تعلیم کا ذکر ہے بالفضل حصہ سوم کا پہلا جزو جس میں فن تعلیم کا پورا بیان ہے شائع کیا جاتا ہے سب سے پہلے اس کا طبع کرانا اسوجہ سے مناسب سمجھا گیا ہے۔ کہ یہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اور فی الحقیقت طریقہ تعلیم کا لب لباب ہے۔ اگر میری محنت کی کچھ قدر کی گئی تو عنقریب باقی ماندہ حصے بھی چھپوائے جائینگے +

یہ کتاب۔ اگر میری رائے غلط نہ ہو۔ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہوگی۔ مگر یہاں اس امر کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ میرے شفیق استاد جناب منشی سراج نرائن صاحب دہلوی تخلص بہ مہر نے ایک کتاب تعلیم مہر تصنیف کی تھی۔ جو معرض طبع میں نہیں آئی۔ صرف اسکا خلاصہ چھپا ہے۔ جس میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ اسلئے وہ نازل سکولوں کے ہڈماسٹروں یا ایسے شخصوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ جو اصول تربیت و تعلیم سے بخوبی واقف ہوں۔ اور صرف مضامین کا اعادہ کرنا چاہتے ہوں۔ مدارس کے معلم یا عام شائقین اس خلاصہ سے جیسا کہ چاہئے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر اصل کتاب تعلیم مہر چھپ جاتی۔ تو غالباً اردو میں اس قسم کی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہ رہتی +

تعلیم و تربیت کے جو اصول اس کتاب میں بیان ہوئے ہیں میں نے

اپنی طرف سے ایجاد نہیں کئے۔ بلکہ یورپ کے نامی گرامی علماء و حکماء کے تجربوں کو جو انگریزی کتابوں میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہیں۔ اپنے طور پر ترتیب دیکر اپنی زبان میں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ البتہ جو باتیں اپنے ذاتی تجربہ سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کو بھی کہیں کہیں توضیحاً قلبین کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے لکھتے وقت کئی عمدہ انگریزی کتابوں سے مضامین کے اخذ کرنے میں مدد لی گئی ہے۔ اور ان کے علاوہ مضمون کی تحلیل میں مجھے اپنے لائق استاد کے خلاصہ تعلیم مہر سے خاص مدد ملی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ بعض موقعوں پر اس خلاصہ کے نوٹوں ہی کو پھیلا کر میں نے مسلسل مضمون بنا دیا ہے۔

خاکار

غلام حسنین

پانی پت - ۱۶ اپریل ۱۸۹۹ء

## فہرست مضامین کتاب ہذا

| صفحہ | مضمون                             | صفحہ | مضمون                               |
|------|-----------------------------------|------|-------------------------------------|
| ۴۲   | فصل چہارم طرز تعلیم               | ۶    | باب اول - فن تعلیم                  |
| ۶۱   | فصل پنجم - امتحان                 | ۷    | تہیہ                                |
| ۶۵   | فصل ششم - تعلیم کا دل پر نقش کرنا | ۸    | فصل اول مضمون سبق اور اسکی ترتیب    |
| ۷۰   | فصل ہفتم - صفات معلم              | ۱۵   | فصل دوم سبق کی تشبیح                |
| ۷۹   | خاتمہ                             | ۲۰   | فصل سوم سبق کی تیاری اور اسکا لکھنا |

## حصہ سوم

### باب اول فن تعلیم

#### تمہید

۱۔ تعریف فن تعلیم۔ فن تعلیم میں وہ کل وسائل شامل ہیں جن سے معلم اپنی جماعت کی توجہ قائم رکھتا ہے۔ توجہ کے یہ معنی ہیں کہ دل کو سب طرف سے ہٹا کر ایک طرف لگایا جائے + کامل توجہ یہ ہے کہ جماعت کے کل طلبہ تعلیم کے کل وقت میں استقلال کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہیں۔ یہ نہ تو کہ چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ استاد کی طرف آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ مگر دل کہیں اور ہے +

۲۔ توجہ کی ضرورت۔ تعلیم کے لئے توجہ نہایت ضروری ہے۔ جہاں ناقص توجہ ہے وہاں ناقص تعلیم ہے۔ جہاں مطلق توجہ نہیں۔ وہاں مطلق تعلیم نہیں۔ ایک طالب علم کے توجہ نہ کرنے سے بھی استاد کی کینہ و محنت ضائع ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو اس طرف سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں +

۳۔ وسائل توجہ۔ توجہ اصل میں ایک قسم کی عادت ہے۔ اور آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہے۔ دھکی یا خوشامد سے توجہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ سب سے بہتر تدبیر یہی ہے کہ معلم طلبہ کو برابر کام میں لگائے رکھے + حصول توجہ کی شرائط بعض خارجی ہیں اور بعض داخلی۔ خارجی شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) مدرسہ کا مکان کافی۔ فراخ اور کشادہ ہو۔

(۲) اُس میں ہوا اور روشنی کا انتظام معقول ہو۔

(۳) مدرسہ کے کام کو اتنا طول نہ دیا جائے کہ طلبہ دل برداشتہ ہو جائیں۔

(۴) طلبہ ایک ہی جگہ اتنی دیر تک نہ بیٹھے رہیں کہ تھک جائیں +

(۵) انہی نشست ایسی ہو کہ سب پر پوری پوری نگرانی رہے +

جس مدرسہ میں ان امور کا لحاظ ہوگا۔ وہاں لائق سے لائق استاد بھی جانت کی توجہ کو قائم نہیں رکھ سکیگا۔ لیکن ان باتوں کا خاص فن تعلیم سے کوئی علاقہ نہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ یہ سب شرطیں پوری کر دی گئی ہیں۔ پس اب ہم کو وہ داخلی شرائط بیان کرنا ہیں۔ جن کا تعلق طلبہ کی روح اور دل سے ہے۔ ان میں امور مندرجہ ذیل داخل ہیں +

مضمون تعلیم۔ اسکی ترتیب۔ اُسکے ادا کرنے کا طریقہ  
معلم کا طرز کلام۔ معلم کے ذاتی اطوار۔ یہ سب باتیں ہم  
بالتفصیل بیان کریں گے +

## فصل اول۔ مضمون سبق اور اسکی ترتیب

۴۔ کافی علم۔ کسی مضمون کو اچھی طرح پڑھانے کے لئے۔ استاد کو اس سے بخوبی واقف ہونا چاہئے۔ اسکی ضرورت دو وجہ سے ہے۔ اول استاد سبق کا مطلب اچھی طرح بیان کر سکے۔ دوم درستی کے ساتھ اُس پر بحث کر سکے +  
اگر معلم کا علم جزوی یا سرسری ہوگا تو اُس سے طرح طرح کے نقصان ہونگے مثلاً (۱) اُس کا بیان مبہم۔ غیر مکمل۔ غلط یا مشتبہ ہوگا +  
(۲) طلبہ کے جوابات میں صحت اور غلطی کی تمیز نہیں کر سکیگا۔  
(۳) اُنکے ادھورے جوابوں کو پورا نہیں کر سکے گا۔

(۴) اُنہی سبق میں کوئی دوسرا ذکر چھڑ جائیگا تو کچھ نہ بتا سکیگا۔

یا تو بات کو ٹال دیگا۔ یا خود شک میں پڑ جائیگا۔ اور کچھ نہیں تو شاگردوں کو ڈانٹنے لگے گا +

پس معلم کا فرض ہے کہ جو کچھ پڑھائے اُس سے کہیں زیادہ جانتا ہو۔ یعنی مضامین تعلیم میں تبسخر ہونے کے علاوہ۔ اُن کے متعلقات کا علم بھی ضرور ہونا چاہئے +

۵۔ سبق میں کیا کیا باتیں بتانی چاہئیں؟ سبق پڑھانے کے معنی نہیں سمجھنے چاہئیں کہ جو کچھ معلم کو آتا ہے۔ سب طلبہ کو بتا دیا جائے۔ اسلئے جو باتیں بتانے کی ہیں اُنکو نہایت احتیاط کے ساتھ انتخاب کر لینا چاہئے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ان چند باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

(۱) سبق میں وہی باتیں بتانی جائیں۔ جو طلبہ کی استعداد کے موافق اور کارآمد ہو۔  
(۲) پہلے موٹی موٹی باتیں بتاؤ۔ پھر جزویات کی تشریح کرو۔ مگر طلبہ کی استعداد اور وقت مقررہ کا بھی لحاظ رہے +

(۳) اگر بہت سی مفید باتیں ایک سبق میں بتانی مناسب ہوں تو اُس کے حصے کر لینے چاہئیں + یاد رہے کہ ایک ہی دفعہ بہت سا سبق پڑھانا بالکل اوقات کا ضائع کرنا ہے +

۶۔ غرض سبق۔ سبق میں جو بات معلم کو بتانی ہے اُسکو پہلے اپنے دل میں قرار دے لے۔ اندھا دھند نہ پڑھائے۔ اس سے کوئی مُعتد بہ نتیجہ ظاہر نہ ہوگا + اکثر محنت رائگاں جائیگی + ہر ایک سبق میں دو غرضیں مدنظر رکھنی چاہئیں ایک خاص یعنی تعلیم دوسری عام یعنی تربیت +

(۱) غرض خاص یہ ہے کہ طلبہ مضمون سبق سے واقف ہو جائیں۔ یہ تعلیم ہوئی +

(۲) غرض عام یہ ہے کہ طلبہ کے قوائے عقلیہ پر زور ڈالا جائے۔ یہ ترسبت ہوئی مثلاً اسباق الاشیاء میں کسی شے کے خواص بتا کر طلبہ کی واقفیت کو بڑھانا غرض خاص ہے۔ اور مشاہدہ کے ذریعہ سے انکے حواس خمسہ کو ترقی دینا غرض عام ہے۔ باقی مضامین کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ یہ دو تو غرضیں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلئے ہر سبق میں ساتھ ساتھ پیش نظر رہنی چاہئیں۔ خلاصہ یہ کہ تعلیم اور تربیت ساتھ ساتھ ہوں +

۷۔ تحلیل و ترکیب حصول علم کی غرض سے ہم اپنے قوائے عقلیہ کو دو طرح کام میں لاتے ہیں۔ اول چند خاص صورتوں کو فرداً فرداً مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور قسم وار لگا کر ان سے خاص اصول نکالتے ہیں۔ یعنی پہلے مثالیں تلاش کرتے ہیں اور انکا امتحان کر کے قواعد عامہ قائم کرتے ہیں۔ دوم جو اصول اور قواعد اس طرح حاصل ہوں انکو دیگر امثلہ پر عائد کرتے ہیں۔ صورت اول میں خاص ہے عام کی طرف۔ اور صورت دوم میں عام سے خاص کی طرف جاتے ہیں۔ مثلاً علم حیوانات کے حاصل کرنے کے لئے اس طرح چلتے ہیں کہ طرح طرح کے جانور اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ اور چند افراد میں کئی وصف مشترک پا کر انکی ایک نوع قرار دے لیتے ہیں۔ اسکے بعد دیگر افراد کو بنظر تعمق مشاہدہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ صرف انکی مشترک صفات کو دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ وہ فلاں گروہ یا نوع سے متعلق ہے۔ اور اسکی ساخت اور عادت بھی بیان کر سکتے ہیں۔ پہلے عمل کا نام تحلیل ہے اور دوسرے کا نام ترکیب + ہر علم کی بنیاد انہی دو اصول پر ہے۔ اسلئے تعلیم میں بھی انکو کام میں لانا چاہیے (۱) تحلیل وہ اسلوب تعلیم ہے جس میں چیزوں کو فرداً فرداً لیا جاتا ہے۔ اور انکے مشاہدہ سے اصول اور قواعد عامہ نکالے جاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ

خاص سے عام کی طرف جاتے ہیں +

(۲) ترکیب وہ اسلوب تعلیم ہے جس میں مرکب چیز کے اجزا کو علیحدہ کر کے دکھاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ خاص سے عام کی طرف جاتے ہیں + اب ہم چند مثالوں سے ان دونوں علموں کی توضیح کرتے ہیں +

مثالیں (۱) فرض کرو کہ اُستاد کو گر گھیر میں اسم کا سبق پڑھانا ہے۔ تو وہ طلبہ کے سامنے ایسے جملے پیش کرے جن میں اسم آئے ہوں۔ اور اُن کے خواص کا مقابلہ کر کے طلبہ سے اسم کی تعریف نکلوائے کہ

”شخص۔ حیوان۔ جگہ۔ یا ہر چیز کے نام کو اسم کہتے ہیں۔“ یا اگر وہ اسم کو پہلے سے جانتے ہوں۔ تو اُن سے پہلے اسم کی تعریف کرائے۔ پھر سبق سے سبق میں آئے ہوں انکو دریافت کرے۔ پہلا اسلوب تحلیل علی در دو سر ترکیبی

(۲) فرض کرو کہ حساب میں تخیل کا سبق ہے۔ تو چند عام فہم مثالوں سے قاعدہ تخیل کا استخراج کرے۔ یا اگر اُنکو واقفیت سابقہ ہے تو قاعدہ سے شروع کر کے اُسکی مشق کے لئے سوالات حل کرائے۔ پہلا عمل تحلیل ہے اور دوسرا ترکیبی +

(۳) پڑھنا سکھانے وقت چند الفاظ کا تلفظ بتا کر۔ مقابلہ کے ذریعہ سے حروف تلفظ نکلوائے۔ یا پہلے مختلف حروف کا تلفظ بتائے۔ پھر اُنکو ملا کر الفاظ کا تلفظ سکھائے۔ اس میں پہلا عمل تحلیل ہے اور دوسرا ترکیبی +

یہ دونوں طرز اپنے اپنے مقام پر مناسب و ضروری ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں کہ اُنکو ایک کل کے دو جزو سمجھنا چاہئے خاص اُنور کا مشاہدہ بالکل یکساں اور غیر مکمل ہے۔ جب تک اُن سے عام اصول مقرر نہ کئے جائیں +

علیٰ ہذا القیاس اگر وہ اصول مشاہدہ پر مبنی نہیں ہیں تو انکا اطلاق کمزور اور بے بنیاد ٹھہرتا ہے +

سبق پڑھانے سے پہلے معلم کو اپنے ذہن میں تصفیہ کر لینا چاہئے۔ کہ ان دونوں طرزوں میں سے کونسا طرز اختیار کرنا مناسب ہے۔ یہاں انکے استعمال کے متعلق معلموں کے لئے عام ہدایتیں درج کی جاتی ہیں +

(۱) ادلئے جماعتوں کے لئے اسلوب تحلیلی اور اعلیٰ جماعتوں کے لئے اسلوب ترکیبی عموماً مناسب ہے +

(۲) ہر مضمون کے شروع میں اسلوب تحلیلی اور آخر میں اسلوب ترکیبی سے کام لینا چاہئے +

(۳) حساب۔ صرف و نحو کے قواعد۔ اصطلاحات جغرافیہ کے سکھانے میں اسلوب تحلیلی کا استعمال کرنا چاہئے +

(۴) پڑھنا۔ اور اقلیدس۔ اسلوب ترکیبی کے موافق سکھانے چاہئیں

(۵) اسبارہ میں آخری ہدایت یہ ہے کہ جیسا موقع ہو ویسا عمل کرو +

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تعلیم کے وقت ایک موقع پر پہلا اسلوب اور دوسرے

موقع پر دوسرا اسلوب کام میں لانا پڑتا ہے۔ دونوں کوئی حد قابل

نہیں ہے +

۸۔ معلوم سے مجهول کی طرف جانا۔ ہر ایک مضمون سے طلبہ کو

کچھ نہ کچھ واقفیت ہو اُڑتی ہے۔ اسلئے معلم کو لازم ہے کہ انکی واقفیت

سابقہ کو اچھی طرح جانچ کر نئے سبق کی تہیہ اٹھائے۔ اور نئے علم کی بنیاد

پُرانے علم پر رکھے۔ مثلاً اشیاء کے سبق میں اگر بتی۔ کتے۔ مرغی۔ بطخ کا سبق

پڑھانا ہو تو انکی بناوٹ سے شروع کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ روزمرہ کے

مشاہدہ کی وجہ سے طلبہ اُنکو خوب جانتے ہیں۔ برعکس اسکے۔ اگر شیر بھیرے  
عقاب کا سبق ہو تو اُنکی عادت اول بیان کرنی چاہئے۔ کیونکہ طلبہ کو  
اُنکی عادت سے غالباً واقفیت ہوگی +  
اس قاعدے پر عمل کرنے سے کئی فائدے ہیں :-

(۱) چونکہ تعلیم مسلسل ہوتی ہے اسلئے سبق کے سمجھنے میں طلبہ کو کم وقت  
پیش آئیگی +

(۲) طلبہ سبق کو توجہ سے سنتے ہیں۔ اور ذوق و شوق ظاہر کرتے ہیں +  
(۳) تعلیم کی بنا مستحکم رکھی جاتی ہے + غرض جو اُستاد معلوم سے مجہول  
کی طرف نہیں جاتا۔ اُسکو ایسا سمجھنا چاہئے جیسے کوئی عمارت بنائے۔ مگر  
اُسکی بنیاد بوجی رکھے +

۹۔ سبق کے حصے۔ ہر سبق کے تین حصے ہونے چاہئیں۔ (۱) تمہید

(۲) نفس سبق (۳) نتیجہ یا انجام +

(۱) تمہید۔ اس سے یہ غرض ہے کہ موجودہ سبق کو اسباق گزشتہ یا  
طلبہ کی معلومات سابقہ سے ربط دیا جائے +

(۲) نفس سبق۔ سبق کے متن یا اصل مضمون کو نفس سبق کہتے ہیں +

(۳) نتیجہ یا انجام۔ سبق کا نتیجہ وہ ہوتا ہے جس میں سبق سے کوئی کام  
بات یا مفید نصیحت نکالی جائے +

۱۰۔ اچھی تمہید کے خواص۔ سبق کی تمہید میں چار خواص ہونے چاہئیں

(۱) مختصر ہو۔ ورنہ تمہید ہی سبق بن جائیگی۔ مگر اتنی مختصر بھی نہ ہو کہ جو بات

بتانی ہے اُسکو جھٹ پٹ اور عام طور پر بیان کر دیا جائے +

(۲) صاف ہو۔ اگر پیچیدہ ہوئی تو طالب علموں کی سمجھ میں نہیں آئیگی +

(۳) مفید اور کارآمد ہو۔ یعنی مضمون سبق کے سمجھنے میں کام آئے۔  
 (۴) دلچسپ ہو۔ تاکہ طلبہ توجہ کریں۔ اور ذوق و شوق کے ساتھ سبق کو سنیں  
 ۱۱۔ نفس سبق۔ نفس سبق میں خیالات کی ترتیب نہایت ہی ضروری  
 امر ہے۔ اس ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے ان چند باتوں کا لحاظ رکھنا لازم ہے  
 (۱) ترتیب آسان اور عام فہم ہو۔ اگر بہت سی باتیں گڈمڈ کر دی جائیں  
 اور ہر ایک کے موقع اور محل کا امتیاز نہ ہو تو بجز انتشار طبیعت کے کچھ حاصل نہ ہوگا  
 (۲) سبق کے حصوں میں مناسب اندازہ قائم رکھنا چاہئے۔ جو حصے  
 زیادہ مشکل اور شرح طلب ہیں انکو طول دیکر اور باقیوں کو مجمل بیان  
 کر دینا چاہئے۔

(۳) جو بات زیادہ تر پیچیدہ اور دقیق ہو اسکے اجرا کر لینے چاہئیں۔  
 اور ہر ایک جز کو جدا جدا سمجھانا چاہئے۔ اگر ضرورت ہو تو ان جُزوں کے  
 بھی تجزیہ بنائے جائیں۔ یہاں تک کہ مضمون آسان ہو جائے۔ مگر ایسا  
 آسان بھی نہ کر دیا جائے۔ کہ طلبہ کی عقل پر مطلق زور نہ پڑے۔ مطلب یہ  
 کہ معتم سبق کو اتنا سہل کر دے کہ طلبہ معقول سعی سے اسکو حل کر سکیں۔  
 (۴) سبق کے حصوں کی ترتیب منطقی یعنی قدرتی تعلقات کے لحاظ سے  
 ہونی چاہئے۔ خواہ بلحاظ فرق و مشابہت خواہ بلحاظ علت  
 معلول۔ خواہ بلحاظ مقدم و تالی۔ مثلاً کسی جانور کا سبق پڑھنا  
 ہو۔ تو سر سے شروع کرو۔ اور پاؤں تک چلے آؤ۔ درخت کے سبق میں  
 جڑ سے شاخوں تک چلے جاؤ۔ زبان دانی کا سبق ہو۔ یا کسی مسئلے کی توضیح  
 کرنی ہو۔ تو اول وہ دلیلیں جو دوسرے امر پر مبنی ہوں۔ سب کو ایک  
 ساتھ ملا جلا کر نہیں بیان کرنا چاہئے۔

سبق کی منطقی ترتیب سے یہ قاعدے ہیں +

(۱) سبق اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے +

(۲) اُس کا پورا اثر قائم رہتا ہے۔ اور یاد خوب رہتا ہے +

(۳) طلبہ کو باقاعدہ اور منطقی طور پر بخور و خوض کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے

۱۲۔ نتیجہ سبق سبق کا نتیجہ مختلف صورتوں میں مختلف ہو کرتا ہے۔ مثلاً

کوئی مذہبی خیال طلبہ کے ذہن نشین کرنا۔ جیسے حسب موقع خدا تعالیٰ کی

قدرت۔ حکمت۔ رحم۔ کرم وغیرہ صفات کا اُن سے تسلیم کرنا۔ یا کسی خلائی

فرض کا بتا دینا۔ یا عاقبت اندیشی کا خیال طالب علموں کے دل میں پیدا

کرنا۔ وغیرہ +

کسی سبق سے نتیجہ نکالتے وقت مفصلہ ذیل ہدایات کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

(۱) ہر سبق سے نتیجہ نہیں نکالا کرتا۔ اسلئے خواہ مخواہ نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں

کرنی چاہئے۔ ایسی صورت میں مضامین سبق کے اعادہ ہی کو نتیجہ سمجھنا چاہئے

(۲) ایک سبق سے ایک ہی عمدہ نتیجہ نکالا کرتا ہے۔ اسلئے وہی نتیجہ نکالنا

چاہئے جو بلا تکلف نکل سکتا ہو۔ اگر ہر سبق میں سے معلّم جو نصیحت چاہے

نکال لکھڑی کرے۔ تو وہ محض بے اثر ہوتی ہے +

(۳) معلّم کو کوئی نتیجہ مسئلہ کے طور پر خود نہیں بتانا چاہئے۔ بلکہ طلبہ ہی سے

نکالوانا چاہئے +

(۴) نتیجہ عملی طور پر نکالنا چاہئے۔ یعنی طالب علموں کو یہ بات بتانی چاہئے

کہ جو نصیحت سبق سے حاصل ہوئی ہے۔ اُس کو کس طرح کام میں لائیں +

فصل دوم۔ سبق کی تشریح

۱۔ تشریح۔ اس سے یہ مراد ہے کہ سبق کا مطلب اچھی طرح کھول کر

بیان کیا جائے۔ اُستاد کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کہ جوابات اُسکے نزدیک آسان ہے۔ طلبہ بھی اُسکو سمجھتے ہونگے۔ بسا اوقات ایک لفظ بھی بیان سے رہجاتا ہے۔ تو طویل جملہ کا مطلب خط ہو جاتا ہے۔ تاہم حد سے زیادہ طوالت سے بچنا چاہئے۔ کسی امر کی تشریح میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔  
 (۱) ہر بات کو جڑ بنیاد تک پہنچا دینا اول تو ممکن نہیں۔ اور ممکن بھی نہ ہو مناسب نہیں۔ بچوں کو نہ تو اُسکی ضرورت ہے اور نہ خواہش +  
 (۲) اُستاد کا بیان ایک خاص حد تک تشریح کا کام دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بچے تشریح کے ابجھاؤ پیدا کرتا ہے +

اس قسم کی فضول بیانی اور طول کلام کی بٹری وجہ یہ ہوتی ہے کہ مُعَلِّم کا پہلا بیان صحیح اور درست نہیں ہوتا۔ اسلئے اُسے پہلے غیر مکمل بیان کیا اصلاح اور ترمیم کی غرض سے۔ اسکو مکمل بیان کرتا ہے۔ اگر بالفرض اسکا دوسرا بیان بالکل صحیح ہو۔ تو بھی اسکا پہلا غیر مکمل بیان اس ترمیم شدہ بیان کا اثر نہیں ہونے دیتا۔ پس معلم کو لازم ہے کہ پہلے ہی اپنے ذہن میں دو باتوں کا تصفیہ کر لے۔ ایک یہ کہ سبق میں کونسی باتیں بتانی جائیں دوسرے یہ کہ ہر بات کو کس قدر اور کس ڈھنگ پر بیان کرنا چاہئے +  
 ۱۴۔ تشریح کی قسمیں۔ تشریح تین قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) تشریح ظاہر (۲) تمثیل (۳) تعریف یا حد۔

(۱) تشریح خاص کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی مشکل خیال یا واقعہ کو آسان آسان صورت میں بیان کیا جائے۔ اسکو صرف تشریح بھی کہتے ہیں ایک لفظ کی جگہ دوسرا مرادف بتا دینا داخل تشریح نہیں ہے۔ اگرچہ بعض اوقات اس طرح بھی آسانی مطلب حل ہو جاتا ہے +

(۲) تمثیل سے یہ مراد ہے کہ کسی شے کو اُس سے ملتی جلتی ہوئی شے سے  
مشابہت دیجائے۔ مثلاً سیدہ کے پگھلنے کی تمثیل موم کے پگھلنے سے +  
(۳) تعریف۔ کسی شے کی تعریف یا حمد سے یہ غرض ہے۔ کہ اُس کے ضروری  
خواص سب ایک جگہ بیان کئے جائیں۔ مثلاً ”ہر چیز کے نام کو اسم کہتے ہیں“  
اسم کی تعریف ہے +

۱۔ تمثیل کی قسمیں۔ تمثیل تین طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) تمثیل باللسان

(۲) تمثیل باللشے۔ (۳) تمثیل بالتصویر +

(۱) تمثیل باللسان یعنی زبانی تمثیل۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(ا)۔ تمثیل العام بالخاص۔ جس میں کسی عام بات کے سمجھنے  
کے لئے ایک خاص بات بیان کی جائے۔ مثلاً اس جملہ میں کہ

”جب آبنائے میکلن سے گزرتے ہیں تو کیا عجیب منظر پیش نظر ہوتا ہے“  
لفظ منظر کی تمثیل دینے کے لئے طلبہ کو گرد و نواح کے کسی مشہور مقام کا  
جس سے وہ واقف ہوں۔ تصور دلانا چاہئے۔ اور پھر اُن چیزوں کا  
جو اسکے ارد گرد نظر آتی ہیں۔ اب اُنکو بتاؤ کہ ان تمام چیزوں کو منظر  
کہتے ہیں +

(ب) تمثیل الخاص بالخاص۔ یعنی ایک خاص بات کے سمجھنے

کے لئے دوسری خاص بات۔ جو اُس سے ملتی جلتی ہو بیان کی جائے  
مثلاً گنتے کے رس کو جوش دینے کی تمثیل مڑبا بنانے سے۔ یا سیدہ کے  
پگھلنے کی تمثیل موم کے پگھلنے سے +

(۲) تمثیل باللشے۔ یعنی کسی شے کے ذریعہ سے تمثیل دینا۔ جب سبق میں  
کسی چیز کا ذکر آجائے۔ خواہ اشیاء کا سبق ہو۔ خواہ زباندانی کا۔ تو

حتی الامکان طلبہ کو وہ چیز دکھا دینی چاہئے۔ اسلئے ضرور ہے کہ ہر مدرسہ میں عام چیزوں کا ذخیرہ موجود رہے +

(۳) تمثیل بالتصویر یعنی جس شے کا بیان سبق میں آئے۔ اسکی تصویر بچوں کو دکھائی جائے۔ اسکی ضرورت اسوجہ سے ہے کہ مدرسہ میں ہر شے موجود نہیں رہ سکتی۔ اس کمی کو تصویروں کے ذریعہ سے پورا کیا جاتا ہے پس ہر مدرسہ میں حیوانات۔ نباتات بمشہور کلوں اور کارخانوں کی تصویر ہونی چاہئیں +

۱۶۔ تمثیل کے خواص تمثیل نہایت سوچ سمجھ کر دینی چاہئے۔ غلط تمثیل سے طلبہ ایسے ہی گمراہ ہو جاتے ہیں جیسے غلط تشریح سے اچھی تمثیل میں تین نصف ہونے چاہئیں +

(۱) تمثیل بر محل ہو۔ یعنی جس موقع پر دیکھ جائے۔ وہاں ٹھیک بیٹھ جائے + تمثیل العام بالخاص کی صورت میں یہ اطمینان کر لینا چاہئے۔ کہ ممثل اور ممثل له میں عام و خاص کا تعلق ہے۔ اور تمثیل الخاص بالخاص میں یہ دیکھ لینا ضرور ہے کہ ان میں باہم مشابہت و مماثلت بھی پائی جاتی ہے (۲) دلچسپ ہو جس سے سبق میں لطف پیدا ہو جائے۔ یہ بات جب ہی ممکن ہے کہ پہلے سے طلبہ اُس شے کو جانتے ہوں جس سے تمثیل دی گئی۔ تمثیل المجهول بالمجهول داخل تمثیل نہیں ہے +

(۳) صاف اور ہو ہو۔ ہو یعنی جن امور میں مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ انکو صاف اور واضح طور پر رکھول دینا چاہئے +

۱۷۔ تمثیل کی ضرورت کسی بات کا مطلب اسناد کی گفتگو سے نہیں زیادہ تر تمثیل ہی کے ذریعہ سے طلبہ کی سمجھ میں آیا کرتا ہے۔ اس سے تمثیل کی

ضرورت صداقت ظاہر ہے۔ مگر چونکہ زبانی تمثیل سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ شے موجود نہ ہو۔ اسلئے تمثیل بالمشے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن مدرسہ میں تمام چیزوں کا موجود رکھنا ناممکن ہے۔ اسکی تلافی تمثیل بالتصویر کے ذریعہ سے کی جاتی ہے + اکثر معلم تمثیل کو غیر ضروری۔ بے حقیقت اور تعلیم کا حاجت سمجھتے ہیں۔ مگر یہ انکی سخت غلطی ہے۔ اگرچہ اس میں وقت صرف ہوتا ہے۔ مگر کئی فائدے ہیں +

(۱) طلبہ کی قوت مشاہدہ کو ترقی ہوتی ہے۔

(۲) ہر معاملہ میں انکو تحقیق اور تصدیق کی عادت پیدا ہوتی ہے +

(۳) مبہم اور غیر مکمل خیالات سے محفوظ رہتے ہیں +

تمثیل دینے کے لئے دو باتیں درکار ہیں۔ اول عام معلومات۔ دوم غور و فکر اسلئے معلم کو لازم ہے کہ اپنا مطالعہ برابر جاری رکھے۔ اور سبق کو تیار کر کے پڑھائے تمثیل کے استعمال میں دو متضاد غلطیوں سے بچنا چاہئے +

(۱) تمثیل بہت مختصر نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ اسقدر تفصیل کے ساتھ ہو کہ طلبہ کے دل پر نقش ہو جائے +

(۲) سبق میں تمثیلوں کی بہت کثرت بھی نہیں ہونی چاہئے۔ اور نہ انکو غایت درجہ کا طول دینا چاہئے۔ ورنہ تمثیلیں ہی سبق بن جائیں گی +

۱۸۔ تصویر اور نقشہ۔ مدرسہ کی تصویریں سیدھی ساوی اور اول پہچان

ہونی چاہئیں۔ یہی زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ فن مصوری کا

پورا کمال ان میں ظاہر کیا جائے۔ یا بڑے تکلف اور عمدگی کے ساتھ بنائی جائے

اتنا کہ سبق میں تصویر ایسے موقع پر دکھانی چاہئے جہاں اسکی ضرورت

اول بیان سے تصویر کیجیو۔ اسکے بعد اصلی تصویر دکھاؤ۔ اس سے طلبہ کی

وقت متخیلہ کی ترتیب ہوتی ہے۔ کیونکہ بچوں کے دل میں استاد کے بیان سے اس شے کی ایک تصویر بن جاتی ہے اور وہ اپنی ذہنی تصویر کا اصلی تصویر کے ساتھ مقابلہ کیا کرتے ہیں +

تمثیل کے لئے نقشہ کا استعمال بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا تصویر کا۔ جب کسی سبق میں (خواہ وہ سبق زیادتی کا ہو۔ خواہ تاریخ کا۔ خواہ اشیا کا۔ کسی شہر یا مقام کا ذکر آجائے۔ تو اسکو نقشہ پر ضرور دکھانا چاہئے۔ اس سے سبق کی توضیح ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ جغرافیہ بھی ذہن نشین ہوتا جاتا ہے اس کے علاوہ خود معلم کو مصوری اور نقشہ کشی میں ایسی مہارت ہونی چاہئے کہ تصویریں اور نقشے بے تکلف بنا سکے۔ یہ واقفیت دو وجہ سے ضروری ہے (۱) بہت سے موقع ایسے نکلیں گے۔ کہ معلم ایک خاص شے کا تصور طلبہ کو کسی طرح نہیں دلا سکیگا۔ بجز اسکے کہ اپنے ہاتھ سے تصویر کھینچ کر دکھائے۔ مثلاً کسی شے کی تصویر مدرسہ میں موجود ہی نہ ہو۔ یا موجود تو ہو۔ مگر اسکے کسی حصہ کو علیحدہ مشاہدہ کرانا ہو۔ بڑا بنا کر دکھانا ہو۔ چنانچہ درختوں کے سبق میں پتے کی تصویر۔ اور جانوروں کے سبق میں ان کے پیروں کی تصویر علیحدہ کر کے دکھانی پڑتی ہے۔ جغرافیہ کے سبق میں دریا کا تعلق کسی سلسلہ کوہ سے بتانا ہوتا ہے +

(۲) تصویر بناتے وقت بچے بڑی خوشی کے ساتھ اسکو دیکھ کر لے ہیں۔ اور بعد میں خود اس تصویر کے بنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے دلوں میں خود بخود فن مصوری کا شوق پیدا ہو جاتا ہے جو نہایت مفید ہے۔

۱۹۔ تعریف یا حمد۔ جب بچہ کوئی بات بتاتا ہے۔ تو اسکی تعریف نہایت صرف تمثیل دیتا ہے۔ مثلاً اس سے دریافت کریں کہ ”دعائے کیا چیز“

تو جواب دیگا۔ جیسے ”لوہا۔ تانبا“ یا اگر اس سے پوچھیں کہ ”د نیک بچہ کون ہے“ یوں ہی کہیگا ”جو سچ بولتا ہے۔ ماں باپ کا کہا مانتا ہے۔“ اس سے ظاہر ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں میں کسی چیز کی تعریف بیان کرنے کا مادہ نہیں ملتا۔ تعریف کے حاصل کرنے کے لئے اول بہت سی مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس تعریف کے استعمال کی بابت یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہئے کہ تعریف مشاہدہ اور تمثیل کے بعد ہونی چاہئے۔ چھوٹے بچوں کو ابتدا میں نہیں۔ بلکہ آخر میں تعریف بتانی چاہئے۔ جب بچوں کی معلومات اور استعداد بڑھ جائے۔ اس وقت اُن سے تعریفیں ضرور نکلوانی چاہئیں۔ اس سے پہلے ایسی مشق کرائی قبل از وقت اور داخل نادانی ہے +

## فصل سوم۔ سبق کی تیاری اور اشارے لکھنا

۲۰۔ تیاری کی ضرورت۔ معلم کو لازم ہے۔ کہ جو سبق پڑھانا ہو۔ اسکو پہلے سے مطالعہ کر کے تیار کرے۔ اگرچہ وہ بعض مضامین کو مثلاً زبانذاتی حساب وغیرہ اپنی واقفیت عامہ کی وجہ سے بغیر خاص مطالعہ کے پڑھا سکتا ہے۔ تاہم سبق کو مؤثر طور پر پڑھانے کے لئے تھوڑی بہت تیاری کرنی پڑتی ہے +

سبق کی تیاری کی ضرورت تین وجہ سے خالی نہیں ہے

(۱) مضمون سبق سے کافی واقفیت پیدا کرنا۔ بعض مضمون معلم کو بظاہر بہت آسان نظر آیا کرتے ہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو پڑھانے کے لئے بھی نئی معلومات درکار ہے +

(۲) سبق کو عمدہ طور پر ترتیب دینا۔ یہ بات سبق کو ذہن نشین کرنے کے

واسطے نہایت ضروری ہے۔ نہایت ہی آسان اور ابتدائی سبق بھی اس میں داخل ہیں +

(۳) سبق کے لئے عمدہ تمثیلیں تلاش کرنا۔ موقعہ کے مناسب تمثیل کا دستیاب ہونا اکثر نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اور بغیر تحبس کے اچھی کبھی نہیں سوجھتی +

اگر معلم بغیر مطالعہ کے سبق پڑھائیگا۔ تو اس سے کئی نقصان ہونگے +  
(۱) سبق میں وہی باتیں بتائیگا۔ جو اُس کو یاد ہیں۔ بعض ضروری اور مفید باتیں بیان سے رہ جائیں گی +

(۲) سبق کے مختلف حصوں کو مربوط اور مسلسل طور پر نہیں بتائیگا +  
(۳) سبق کی اچھی طرح تشریح نہیں کریگا۔ اور عمدہ تمثیلیں نہیں دیکھیگا۔  
۲۱۔ عام مطالعہ۔ علاوہ سبق کی تیاری کے جس کو ہم خاص مطالعہ سے تعبیر کرتے ہیں عام مطالعہ بھی معلم کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ پس مناسب ہے کہ وہ کوئی خاص مضمون بطور خود مطالعہ کرنے کی غرض سے مقرر کرے۔ خواہ اس مضمون کو تعلیم کے مضمون سے تعلق ہو خواہ نہ ہو۔ ہر معلم کو یہ بات اپنے دل پر نقش کر لینی چاہئے۔ کہ اُس کا یہی کام نہیں ہے کہ اوروں کو سکھائے۔ بلکہ خود بھی سکھے +  
مطالعہ سے بہت سے فائدے ہیں۔

- (۱) معلم کی طبیعت تعلیم کے لئے آمادہ۔ اور ہر وقت تازہ رہتی ہے +
- (۲) کام میں مستعدی اور چستی و چالاکی پیدا ہوتی ہے +
- (۳) طلبہ کی مشکلات میں معلم کا ہمدرد اور شفیق رہتا ہے +
- (۴) معلومات کا ذخیرہ وسیع اور پُرانا علم تازہ ہوتا رہتا ہے +

(۵) چونکہ تعلیم مؤثر ہوگی۔ اسلئے طلبہ کے دلوں میں بھی علم کا شوق پیدا ہوگا +  
 انسان کی طبیعت مثل ایک سوراخدار برتن کے ہے کہ جب تک اسکو بار بار پُر  
 نہ کیا جائے۔ جلد خالی ہو جاتا ہے۔ اگر معلم صرف اُسی علم پر قناعت کر لےگا۔ جو  
 اُس نے زمانہ طالب علمی میں حاصل کیا تھا تو کچھ عرصہ میں اُسکو بھی کھو بیٹھے گا +  
 ترک مطالعہ کی وجہ سے اُستاد کا علم نہ صرف گھس گھسا کر پرانا ہو جاتا ہے۔ بلکہ  
 رفتہ رفتہ اپنے شاگردوں کے مرتبہ سے بھی گر جاتا ہے۔ اُسکے قوالے عقلیہ  
 محض بیکار ہو جاتے ہیں۔ اُسکی تعلیم دلچسپ اور مؤثر نہیں ہو سکتی۔ اسلئے  
 اُسکو ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھنا۔ اور طلبہ کی سطح سے اُونچا رہنا چاہئے۔ اور اپنے  
 ذاتی استفادہ اور نیز اپنے شاگردوں کے افادہ کے خیال سے اپنے قوالے  
 عقلیہ کو مطالعہ کے ذریعہ سے تیز کرتے رہنا چاہئے +

۲۲۔ اشارے لکھنا اور اُسکے فائدے۔ نوٹ یا اشارے  
 لکھنے سے یہ مراد ہے کہ جس ترتیب اور جس طرز سے اُستاد کوئی سبق پڑھانا  
 چاہتا ہے۔ اُسے مختصر طور پر لکھ لے۔ کسی سبق کے اشارے لکھنا درحقیقت اُسکا  
 ایسا خاکہ بنانا ہے کہ ایک نظر ڈالنے سے کل سبق کا خلاصہ معلوم ہو جائے۔ نئے  
 اور نا تجربہ کار معلم کو اس ترکیب سے سبق کی تیاری میں بڑی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ  
 (۱) اُسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ مجھے کونسی باتیں آتی ہیں۔ اور کونسی نہیں آتیں۔ جو  
 نہیں آتیں انہیں تحقیق کر لیتا ہے۔

(۲) یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سبق میں کونسی باتیں بتانی چاہئیں۔ اور کس  
 ترتیب سے۔ غرض سبق کی ضروری باتوں کا انتخاب اور ترتیب بخوبی

ہلکے نوٹ انگریزی لفظ ہے جسے معنی میں حاشیہ شریہ۔ داشت وغیرہ اس لئے نوٹ لکھنے سے  
 مراد ہے۔ یا مختصر لکھنی۔ اسکا ترجمہ عموماً اشارے لکھنا کیا جاتا ہے۔ مصنف +

ہو جاتی ہے +

(۳) سبق کا خاکہ اُسکے دل میں جم جاتا ہے۔ اور سبق پر قابض ہو جاتا ہے۔  
برابر پڑھتا چلا جاتا ہے۔ نہ کچھ سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور نہ جماعت کا  
وقت ضائع ہوتا ہے +

(۴) سبق کے مختلف حصوں کا ربط طلبہ کی سمجھ میں اچھی طرح آ جاتا ہے۔ اسلئے  
شوق اور توجہ سے سبق کو سنتے ہیں۔ اُستاد کو اپنی محنت کا ثمرہ مل جاتا ہے  
۲۳۔ اشارے لکھنے کا طریقہ۔ اشارے لکھنے میں اول سبق کی تہمید  
لکھو۔ پھر نفس سبق کے لکھنے کے واسطے نقشہ اشارات کو تین خانوں میں  
تقسیم کر کے پہلے خانہ میں سرخی۔ دوسرے میں مضمون۔ اور تیسرے  
میں طریقہ لکھو۔ اور آخر میں سبق کا نتیجہ درج کرو۔ تہمید مضمون  
نتیجہ کا حال۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب سرخیوں اور طریقہ کا ذکر کیا جاتا ہے  
(۱) سرخیوں سے یہ مراد ہے کہ سبق کے مضمون کو بڑے بڑے حصوں میں  
تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً حق الامکان سرخیاں کم ہوں اور ہر ایک بچہ  
خود کامل اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو +

(۲) طریقہ سے یہ مراد ہے کہ اُستاد سبق کا مضمون طلبہ کو کس ڈھنگ سے  
بتانا چاہتا ہے۔ اس میں وہ باتیں درج ہونی چاہئیں جو مضمون سبق  
کے سمجھانے میں درکار ہوں۔ مثلاً تشریح۔ تمثیل۔ دوسری چیزوں سے  
مقابلہ۔ کہانیاں وغیرہ +

اشارے لکھنے میں دو باتوں کی احتیاط رکھنی چاہئے +

(۱) کل سبق کو سوال و جواب کے طور پر لکھ لینے سے مطلب برآ رہی نہیں  
ہوتی لیکن ہے کہ سبق پڑھائے۔ وقت سوال و جواب کی ترتیب سچائی

اُستاد کی محنت ضائع ہو جائے۔ اور وہ لڑکوں کا مونہ دیکھتا رہ جائے۔  
اسی طرح نری سرخیاں لکھ لینے سے بھی کام نہیں چلتا۔ کیونکہ وہ مبہم  
اور جھل ہوتی ہیں +

(۲) ہر سبق کے اشارے ایک خاص طرز پر نہیں لکھ سکتے۔ اس امر کا  
فیصلہ کہ ہر ایک بات کو کس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہئے۔ اور کن  
باتوں پر زور دینا چاہئے۔ معلم کے تجربہ اور مشق پر منحصر ہے +

۲۴- اشاروں کا استعمال۔ جو نوٹ یا اشارے تیار کئے گئے ہیں۔  
اُنکو عین تعلیم کے وقت ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے + اگر معلم پڑھتا  
وقت بار بار اُنکو دیکھ کر بتائے گا۔ تو کبھی اچھی طرح تعلیم نہیں دے سکیگا۔ اور  
چونکہ اسکو بات بات پر رُکنا پڑیگا۔ اسلئے طلبہ کی متواتر توجہ قائم نہیں ہوگی  
پس ضرور ہے کہ اُنکا لُٹ لباب معلم کے ذہن میں ہو۔ تاکہ اُستاد کی  
سرگرمی اور شاگردوں کی توجہ کے درمیان کوئی شے حائل نہ ہو +

۲۵- اشاروں کی مثالیں۔ اب ہم نمونہ کے طور پر چند مثالیں درج کرتے  
ہیں جن کے مطالعہ سے معلموں کو مختلف سبقوں پر اشارے لکھنے کی طرز سے  
واقفیت ہو جائیگی +

## ۱- فارسی زبان دانی

تمہیں سبق کا مطلب کہانی کے طور پر زبانی بیان کرو۔ اور درمیان میں  
طلبہ سے چند سوال کرتے رہو +

| سرخ                               | مضمون                                                                              | طریقہ تعلیم |
|-----------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------|-------------|
| اشکل الفاظ گورستان - قبروں کی جگہ | طلبہ سے کہو جس سبق کا مضمون میں نے تم کو بتایا ہے۔ اُس میں بعض الفاظ مشکل آتے ہیں۔ | ادب         |
| ۱۔ معنی                           | قبرستان -                                                                          | ادب         |
| الفاظ                             | ہمیں - یہی - اسی (ہم) -                                                            | ادب         |
|                                   | بھی - ہی - اس = یہ                                                                 | ادب         |
|                                   | اس ( +                                                                             | ادب         |
|                                   | ملک - بادشاہ                                                                       | ادب         |
|                                   | عاقلانہ - عقلمند جیسا سمجھو                                                        | ادب         |
|                                   | آدمی کی مانند دآنہ -                                                               | ادب         |
|                                   | مانند -                                                                            | ادب         |
|                                   | خیر - اچھا - بھلا - بھلائی -                                                       | ادب         |
|                                   | فانی - فنا ہونے والی چیز -                                                         | ادب         |
|                                   | دینا -                                                                             | ادب         |
|                                   | باقی - قائم رہنے والی چیز                                                          | ادب         |
|                                   | آخرت -                                                                             | ادب         |
|                                   | سرسر - خیال -                                                                      | ادب         |
|                                   | ملکوت - فرشتوں کا عالم                                                             | ادب         |
|                                   | عالم ارواح - پروردگار                                                              | ادب         |
|                                   | علیٰ ہذا القیاس فانی اور باقی کے لفظی اور اصطلاحی معنی کی توضیح کرو۔               | ادب         |
|                                   | ان لفظوں کا تلفظ خود اکر دو طلبہ سے                                                | ادب         |
|                                   | تلفظ الفاظ گورستان - خوش -                                                         | ادب         |

عاقلا نہ۔ اختیار۔ کہلاؤ۔ مشکل الفاظ کے پیچھے کراؤ۔ زیادہ

ملک۔ ملک۔ ملکوت مشکل لفظوں کو جہاں رہی کے طور پر کہلاؤ +

خوش کے لفظ میں بتاؤ کہ واؤ معدولہ

ہے۔ لکھنے میں آتا ہے۔ بولنے میں نہیں آتا

ملک۔ ملک میں تلفظ اور معنی کا فرق بتاؤ

ملک اور ملک کے معنی بھی بتا دو +

ان محاوروں کی تشریح اچھی طرح کرو -

تمثیل کے موقع پر تمثیل دو۔ مثلاً روہناؤن

کی تمثیل میں بیان کرو کہ جس طرف کسی کا

موخہ ہوتا ہے اسی طرف اُسکی توجہ ہوتی ہے

اسلئے روہناؤن سے مراد توجہ کرنا ہے +

توضیح و

تشریح

حرف عاقلا نہ عقل مند جیسی

بات عقل کی بات -

اختیار کردن پسند کرنا -

ترجیح دینا۔ بہتر سمجھنا +

در دل نشتن۔ دل میں بیٹھنا

یا جم جانا۔ اثر کر جانا۔

از سر ملک خاستن۔ ملک

(سلطنت) کے خیال سے ہٹ

جانا۔ سلطنت چھوڑ دینا +

روہناؤن۔ توجہ کرنا۔ دھیان

کرنا (لفظی موخہ رکھنا)

رو ملکوت نہاؤن۔ فرشتوں

کی طرف توجہ کرنا۔ خدا ہی کا

ہو رہنا +

عبارت کا ہونا پادشاہ ہے بگورستاں گزشت

اول نمونہ کے طور پر آہستگی اور صفائی کے لئے

دیوانہ بنظر آمد + گفتند کہ ہمیں خود پڑھ کر سناؤ۔ اصول خوشخوانی  
 جاے ماند۔ و خوش مے گزراند (صحت تلفظ۔ توقف۔ مد الصوت۔  
 ملک پُرسید کہ چرا بشہر نیائی؟ تغیر لحن وغیرہ) کا خیال رکھو +  
 گفت۔ آنا نگہ بشہر اند۔ کجا رُو دوم۔ اجتماعی طور پر ہر جگہ کے مناسب  
 گفت۔ ہمیں جا آئند۔ گفت حصے کر کے ایک ایک حصے کو جدا جدا  
 پس شہر ہمیں باشد۔ ملک پڑھ کر سناؤ۔ پھر اُسی حصے کو سب لٹے کے  
 گفت اے دیوانہ! حروف ملکر مہارنی کے طور پر پڑھیں۔ تاکہ  
 عاقلانہ گفتی۔ گفت خیر اگر موقع موقع پر پھینکا اور صحیح تلفظ آجائے  
 عاقل بودے۔ البتہ فانی را سوم۔ انفرادی طور پر۔ اب ایک ایک  
 بر باقی اختیار کرو مے پچھو تو۔ لڑکے سے دو دو تین تین جملے جس میں  
 ملک را سخنش در دل نشست ایک مطلب تمام و کمال آجائے علیحدہ  
 از سر ملک برخاست۔ و علیحدہ پڑھو او۔ جو اچھے پڑھنے والے  
 بہ ملکوت رو نہاد + ہیں پہلے اُن سے پڑھو او۔ پھر اور  
 طلبہ سے۔ بار بار خود نمونہ دیکر غلطیوں  
 کی اصلاح کرو۔ اسی طرح تمام عبارت  
 پڑھو او +

۴۴ ترجمہ ایک بادشاہ قبرستان کی  
 طرف جا نکلا۔ (دوماں) ایک جملہ کا پہلے لفظی اور پھر با محاورہ  
 باؤلا دکھائی دیا۔ (لوگوں نے) ترجمہ کراؤ۔ جہاں تک ہو سکے ترجمہ طلبہ  
 کہا دیے) اسی جگہ رہتا ہے اور ہی سے نکلاؤ۔ اُردو اور فارسی محاورات  
 اچھی طرح (زندگی) بسر کرتا، کا تمام سبق میں مقابلہ کراؤ۔ دونوں باتوں

بادشاہ نے پوچھا۔ کہ تو شہر میں جملوں کی ساخت کا فرق سمجھاؤ۔ ترجمہ  
کیوں نہیں آتا؟ (اُس نے) میں جو لفظ ربط عبارت کی غرض سے  
کہا وہ (لوگ) جو شہر میں زیادہ کئے گئے ہیں اُن پر توجہ دلاؤ +

(ہستے) ہیں کہاں جاتے ہیں؟  
بادشاہ نے کہا۔ اسی جگہ آتے  
ہیں (دیوانہ نے) کہا تو پھر شہر  
یہی ہوا۔ بادشاہ نے کہا۔ اے  
دیوانے! (یہ تو) تو نے عقلمندوں  
کی سی بات کہی ہے؟ (اُس نے)  
کہا۔ نہیں۔ اگر میں دانا ہوتا تو  
تیری طرح دنیا کو آخرت سے بہتر سمجھتا  
اُسکی بات بادشاہ کے دل میں  
بیٹھ گئی۔ بادشاہ ہی چھوڑ دی۔  
اور خدا ہی کا ہو رہا +

۵۔ صرف مے گر آزند۔ روند - پوچھو یہ الفاظ کون کون سے کلکے ہیں۔ او  
و نحو۔ حرف عاقلانہ۔ بوومے کیوں؟ افعال کی گردان کراؤ۔ ماضی کا  
از سر ملک۔ مضارع۔ مضارع کی ماضی وغیرہ دریت  
کرو۔ مرکبات کی ترکیب کراؤ +

۶۔ میثاق (۱) الفاظ پر سوالات (۱) کتابیں بند کر اگر مشکل لفظوں اور  
محاوروں کے معنی پوچھو +

(۲) مطلب پر سوالات (۲) مطلب پر اس طرح کے سوالات کرو

اس کہانی میں کس کا ذکر ہے؟ (بادشاہ کا)  
 بادشاہ کہاں گیا تھا؟ (قبرستان میں)۔  
 وہاں کسے دیکھا؟ (دیوانے کو) وغیرہ  
 (۳) بغیر ترجمہ کر کے طلبہ سے پڑھوانا  
 شروع کرو۔ اصول خوشخوانی کا دستور  
 خیال رکھو۔ مشکل مقامات کا ترجمہ بھی  
 دریافت کرتے ہو +

(۳) عبارت کا پڑھوانا

نتیجہ۔ طلبہ سے کہو۔ سبق کا مطلب اپنی عبارت میں بیان کریں۔ اور ان ہی سے  
 یہ نصیحت نکلواؤ کہ ”دنیا چند روزہ ہے۔ اس میں بھنڈا خدا تعالیٰ کو بھوننا نہیں چاہئے“

۲۔ اسم

تہمید۔ بورڈ پر چند چھوٹے چھوٹے جملے لکھو۔ جن میں اسم آئے ہوں۔ مثلاً  
 ”احمد پڑھتا ہے“ ”کتنا بھونکتا ہے“ ”آگ جلتی ہے“ اور طلبہ کو یہ تصور دلاؤ  
 کہ احمد۔ کتنا۔ آگ۔ اسم ہیں +

| سرخ | مضمون                    | طریقہ تعلیم                              |
|-----|--------------------------|------------------------------------------|
| ۱۱  | محمود نیک لڑکا ہے        | ان جملوں کو صفائی کے ساتھ بورڈ پر لکھ کر |
| ۱۲  | رامو ہو نہا رنجہ ہے      | مختلف لڑکوں سے پڑھاؤ۔ اور سوالات         |
| ۱۳  | گاسے دود دیتی ہے         | سقراطی کے ذریعہ سے اخذ کراؤ۔ کہ محمود    |
| ۱۴  | گھوڑا گاڑی کھینچتا ہے    | رامو وغیرہ نام ہیں۔ ان لفظوں کے          |
| ۱۵  | پانی پت مشہور شہر ہے     | اوپر ساتھ ہی ساتھ خط کھینچ جاؤ۔ اب       |
| ۱۶  | بہنی کے آم اچھے ہوتے ہیں | ہر قسم کے ناموں کو لڑکوں سے پوچھ پوچھ کر |
| ۱۷  | علم بڑی دولت ہے          | بورڈ پر علیحدہ علیحدہ اس طرح لکھو :-     |

کنجوسی بری عادت ہے۔

آدمیوں یا شخصوں کے نام۔ محمود۔ لڑکا۔ رامنو بچہ  
جانوروں کے نام۔ گائے۔ گھوڑا۔

مقاموں کے نام۔ پانی پت۔ شہر۔ بمبئی۔  
چیزوں کے نام۔ دود۔ گاڑی۔ آم۔ علم  
دولت۔ کنجوسی۔ عادت

یہ بھی نکلواؤ کہ لڑکا۔ گھوڑا۔ آم وغیرہ۔ ایک  
ہی شخص یا ایک ہی چیز یا ایک ہی جانور کے  
نام نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک نام بہت سے آدمیوں  
جانوروں یا چیزوں کا ہو سکتا ہے۔ سمجھاؤ  
کہ علم۔ کنجوسی۔ عادت وغیرہ بھی نام ہی ہیں  
مگر ایسی چیزوں کے جنکو آنکھ سے نہیں دیکھ  
سکتے۔ دل ہی دل میں خیال کر سکتے ہیں +  
بتاؤ ایسے لفظوں کو جو کسی چیز کا نام ہوں  
اسم کہتے ہیں۔ اب اس لفظ کے ہجے  
کر کر مولے حرفوں میں تختہ سیاہ پر لکھ دو۔

تعریف خود طلبہ سے نکلواؤ۔ یہ بات خوب  
سمجھا دو کہ کسی چیز کو اسم نہیں کہتے۔ صرف  
اُس کا نام اسم ہے۔ گائے جو ایک جانور ہے  
اسم نہیں ہے۔ صرف اُس کا نام یعنی لفظ گائے  
اسم ہے۔ طلبہ سے بار بار اجتماعی اور انفرادی

کسی آدمی۔ جانور۔ چیز۔  
یا جگہ کے) نام کو اسم  
کہتے ہیں +

۱۔ اصطلاح

۲۔ تعریف

۳۔ اس طلب کو زیادہ ذہن نشین کر نیکی لئے کسی لڑکے سے پوچھو تمہارا کیا نام ہے؟ فرض کرو کہ اوس نے

ایسا نام جمید بتایا۔ اب اُسکو سمجھا دو کہ تم خود اسم نہیں ہو۔ بلکہ تمہارا نام لفظ جمید اسم ہے +

|                                                                                                                                                                                                                                                                                            |                                                                                                                                                                                                                                                                                            |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                 |
|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>گو بند دہلی جائیگا۔<br/>اکبر نہیں آتا۔<br/>راجا رام کی کتاب میز پر<br/>رکھی ہے۔</p>                                                                                                                                                                                                     | <p>طور پر کہلا کر تعریف کو ذہن نشین کرو +<br/>ان مثالوں میں سے بعض کو تختہ سیاہ پر<br/>لکھ کر اور بعض کو زبانی دریافت کرو۔ کہ ان<br/>میں کون کونسے لفظ اسم ہیں۔ اور کیوں؟<br/>مثلاً گو بند اسم ہے۔ کیونکہ ایک شخص کا<br/>نام ہے۔ علی ہذا القیاس +</p>                                      | <p>نتیجہ۔ سبق کی بڑی بڑی باتیں دہرا جاؤ۔ اُردو زبان دانی کی کتاب کسی جگہ سے<br/>پڑھو اور اس میں جو اسم آئیں۔ اُنکو دریافت کرو +</p>                                                                                                                                                                                                             |
| <p>۳۔ تحویل</p>                                                                                                                                                                                                                                                                            | <p>مہر ہند۔ طلبہ سے نقدی اور ماپ تول کے معمولی پیمانے (جو انکو پہلے یاد کر لئے<br/>گئے ہیں) پوچھو۔ اور کہو آج ہم تم کو ان پیمانوں سے کام لینا بتاتے ہیں +</p>                                                                                                                              | <p>۳۔ تحویل</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                 |
| <p>سرخی مضمون</p>                                                                                                                                                                                                                                                                          | <p>تحویل وہ قاعدہ ہے جس کے ذریعہ سے کسی<br/>مقدار کو ایک درجہ سے<br/>دوسرے درجہ میں<br/>بدلتے ہیں اور اُسکی<br/>قیمت میں فرق نہیں پڑتا</p>                                                                                                                                                 | <p>طریقہ تعلیم</p> <p>طلبہ سے اس قسم کے سوال کرو۔ ایک آنے -<br/>دو آنے - تین آنے میں کتنے پیسے۔ اور کتنی پائیاں<br/>ہوتی ہیں + ایک روپیہ - دو روپے - تین روپے<br/>چار روپے میں کتنے آنے۔ اور کتنی اٹھنیاں -<br/>چونیاں - دونیاں ہوتی ہیں +</p> <p>دریافت کرو کہ ۱۶ پیسے - ۲۴ پیسے - ۳۲ پیسے<br/>اور ۶۴ پیسے میں کتنے ادھتے - آنے - دونیاں -</p> |
| <p>۱۔ اسم کی مشق کے لئے استاد مختلف طریقے نکال سکتا ہے۔ مثلاً طلبہ سے ان کے نام اور ان کے دوستوں<br/>اور رشتہ داروں کے نام پوچھے۔ مدرسہ کی چیزوں - گھر کے اسباب - چوپایوں - درندوں - پرندوں<br/>کپاتے پیتے کی چیزوں - مختلف شہروں کے نام دریافت کرے۔ اس طرح سبق بہت دلچسپ اور ذہن نشین</p> | <p>۱۔ اسم کی مشق کے لئے استاد مختلف طریقے نکال سکتا ہے۔ مثلاً طلبہ سے ان کے نام اور ان کے دوستوں<br/>اور رشتہ داروں کے نام پوچھے۔ مدرسہ کی چیزوں - گھر کے اسباب - چوپایوں - درندوں - پرندوں<br/>کپاتے پیتے کی چیزوں - مختلف شہروں کے نام دریافت کرے۔ اس طرح سبق بہت دلچسپ اور ذہن نشین</p> | <p>۱۔ اسم کی مشق کے لئے استاد مختلف طریقے نکال سکتا ہے۔ مثلاً طلبہ سے ان کے نام اور ان کے دوستوں<br/>اور رشتہ داروں کے نام پوچھے۔ مدرسہ کی چیزوں - گھر کے اسباب - چوپایوں - درندوں - پرندوں<br/>کپاتے پیتے کی چیزوں - مختلف شہروں کے نام دریافت کرے۔ اس طرح سبق بہت دلچسپ اور ذہن نشین</p>                                                      |

چونیاں ہوتی ہیں + ۲۴ پائی - ۳۶ پائی - ۴۸ پائی  
 ۶۰ پائی اور ۸۰ پائی میں کتنے آئے ہوتے ہیں +  
 ۳۲ آئے - ۶۴ آئے - ۹۶ آئے - ۱۲۸ آئے میں  
 کتنے روپے ہوتے ہیں +

اب یہ بات اخذ کراؤ۔ اور خوب ذہن نشین کر دو  
 کہ ایک دوانی اور آٹھ پیسے - ایک چونی اور ۱۶ پیسے  
 ۲۴ پائی اور ۲ آئے وغیرہ قیمت میں برابر ہیں -  
 بتاؤ کہ جس قاعدہ سے کسی مقدار کو ایک درجہ سے  
 دوسرے درجہ میں بدلتے ہیں - اور اسکی قیمت میں  
 کچھ فرق نہیں آتا - تحویل کہتے ہیں - تحویل کے معنی  
 بتاؤ - ایک صورت سے دوسری صورت میں لینا  
 اور قاعدہ کی وجہ تسمیہ نکلواؤ - تحویل کی تعریف  
 بار بار کہلا کر ذہن نشین کرو +

یہ دو نو قسمیں امثلہ مذکورہ بالا - اور دیگر عام فہم  
 مثالوں کے ذریعہ سے اخذ کراؤ +

۲- قسمیں تحویل کی دو قسمیں ہیں

(۱) اعلیٰ درجہ ادنیٰ کی طرف

(۲) ادنیٰ درجہ اعلیٰ کی طرف

دو نو قاعدے طلبہ ہی سے مثالوں و رسالوں کے  
 ذریعہ سے نکلواؤ - یہ بھی اخذ کراؤ - کہ قیمت برابر  
 ہونے کی وجہ سے ادنیٰ درجہ کی رقم کا عدد ہمیشہ

۳- قاعدہ (۱) اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ

درجہ کی تحویل میں ضرب

دیتے ہیں +

(۲) ادنیٰ درجہ سے

اعلیٰ درجہ کی تحویل میں

بڑا ہونا چاہئے - اور اعلیٰ درجہ کا چھوٹا - اور چونکہ  
 ضرب سے بڑا عدد حاصل ہوتا ہے - اور تقسیم سے

چھوٹا۔ اسلئے پہلی صورت میں ضرب اور  
دوسری صورت میں تقسیم کام لیتے ہیں

تقسیم کرتے ہیں +

۴۔ عمل کا  
طریق

(۱) اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ درجہ کی طرف

نقدی کا پیانہ دریافت کر کے پوچھو۔ کہ ایک  
روپے میں ۱۶ آنے ہوتے ہیں۔ تو ۵ روپے  
میں کتنے آنے ہوئے؟ (۸۰)۔ پوچھو  
میں کیا عمل ہوا؟ (ضرب)

۱۔ ۵ روپے کی پائیاں بناؤ  
۵ روپے  
 $\frac{16}{80}$  آنے  
 $\frac{12}{960}$  پائیاں  
جواب

اسی طرح پائیاں بنانے کے لئے سوال کرو  
پہلے خود بورڈ پر مثال حل کر کے عمل کا نمونہ  
دکھاؤ۔ پھر طلبہ سے سلیٹوں پر نکلاؤ +  
دوسری مثال میں سمجھا دو۔ کہ ۲ روپے  
کے آنے بنا کر ۱۱ آنے جمع کئے ہیں۔ اسی  
طرح آنوں کی پائیاں بنا کر ۹ پائیاں  
بھی جمع کی ہیں +

ب۔ ۲ روپے ۱۱ پائی  
کی پائیاں بناؤ؟  
۲ روپے ۱۱ پائی  
 $\frac{16}{352}$  آنے  
 $\frac{11}{3872}$  آنے  
 $\frac{12}{46464}$  پائیاں  
۹  
 $\frac{418176}{532224}$  پائیاں  
جواب

طلبہ سے دستور نقدی کا پیانہ دریافت  
کرو۔ اور سمجھا دو۔ کہ چونکہ ایک آنے میں  
۱۲ پائیاں ہوتی ہیں۔ اسلئے ہر ایک

(۲) ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ  
درجہ کی طرف ۸ ۲۹ پائیاں  
کے روپے بناؤ؟

رقم میں آنوں کی تعداد پائیوں کی تعداد سے  
بارھواں حصہ ہوگی۔ اسی طرح روپوں کی  
تعداد آنوں کی تعداد کا سوٹھواں حصہ ہوگی  
اسلئے تقسیم کا عمل کیا گیا ہے۔ اس بات پر  
بھی توجہ دلاؤ کہ تقسیم کے وقت جو آنہ۔ پائی  
باقی رہتا ہے اسکو دائیں طرف ہٹا کر لکھتے ہیں

$$\begin{array}{r}
 ۱۲ \overline{) ۲۹۷۸} \\
 ۱۶ \overline{) ۲۳۸} \\
 \hline
 ۱۵ \overline{) ۸} \\
 \hline
 ۱۵ \overline{) ۸} \\
 \hline
 ۲
 \end{array}$$

باقی آنے روپے  
۱۵ ۰۸ ۰۲  
جواب

ثبوت

عمل کے اُلٹ دینے سے یعنی اوپر کی مثالوں کو اُلٹ کر دکھاؤ۔ یعنی طلبہ  
ضرب کی حالت میں تقسیم اور سے جواب کی پائیوں کے روپے اور روپوں  
تقسیم کی حالت میں ضرب کی پائیاں بنوا کر عمل کی صحت کا ثبوت  
کرنے سے جواب کی صحت کا طلبہ کو بتاؤ کہ اس طریق سے اپنے جواب کی  
صحت و غلطی کا حال تم خود معلوم کر سکتے ہو  
چند اور مثالوں سے اسکی توضیح کرو +

نتیجہ۔ سبق کی خاص خاص باتیں دہرا جاؤ۔ اور مشقی سوالات حل کرو +  
[ یہاں نقدی ہی کے سکوں کی مثالیں لی گئی ہیں۔ پاپ تول کے پیمانوں کو بھی  
اسی پر قیاس کرو۔ مگر اس بات کا خیال رہے کہ جب ایک پیمانے کی کافی مشق ہو جائے  
اور طلبہ اُسکے استعمال پر حاوی ہو جائیں۔ اُسوقت دوسرا شروع کرو + ]

### ۴۔ نقشہ

تہیہ۔ طلبہ کو کسی جانور وغیرہ کی تصویر دکھا کر پوچھو کہ یہ کیا ہے؟ اُن کو  
تصویر کا فائدہ بتاؤ۔ کہ بن دیکھی چیز کا خیال تصویر سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے

۱۔ چونکہ یہ سبق بہت کم سن بچوں کو پڑایا جاتا ہے۔ اسلئے اس کے دو حصے کر کے آدھا ایک روز  
اور آدھا دوسرے روز پڑھانا چاہئے۔

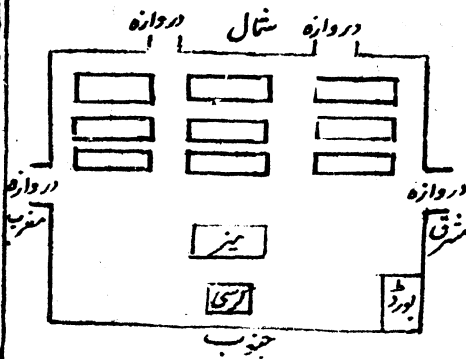
سرخی

مضمون

طریقہ تسلیم

نقشہ دنیا یا دنیا کے کسی حصہ کی شکل ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہو جاتا ہے کرسی۔ بیچ وغیرہ کے نشان بنادو۔

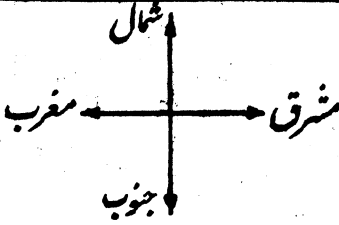
کہ فلاں فلاں مقام کہاں کہاں واقع ہیں +



تصویر اور نقشہ کا مقابلہ کر کے فرق بتاؤ۔ کہ تصویر میں ہر ایک حصہ کی شکل ہو ہو معلوم ہوتی ہے نقشہ میں صرف ایک طرف کی شکل معلوم ہو سکتی ہے۔ اب تمام مدرسہ۔ شہر۔ ملک اور دنیا کے نقشہ کا تصور دلا کر طلبہ کے خیال کو وسعت دو۔ اور نقشہ کی تعریف نکاواؤ۔ دنیا کا نقشہ دکھا کر اسی میں ہندوستان دکھاؤ اسی طرح ایشیا کے نقشہ میں دکھاؤ۔ پھر خود ہندوستان کا نقشہ دکھاؤ +

نقشہ میں شمال اوپر جنوب طلبہ سے چاروں طرفوں کے نام اور پہچاننے کا نیچے مشرق دائیں ہاتھ طریق دریافت کرو۔ بورڈ پر ایسی شکل بناؤ۔

لے نقشہ کا سبق شروع کرنے سے پہلے چاروں سمتوں اور چاروں گوشوں کی عام واقفیت ضروری ہے

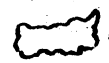
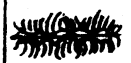


اور مغرب بائیں ہاتھ ہوتے  
ہیں +

اور نقشہ میں ان سمتوں کی پہچان بناؤ -  
ایک کاغذ کا ٹکڑا میز پر رکھ کر کمرہ کی چار دیواری  
کا نقشہ بناؤ۔ پھر اُس کو شمال اوپر کی طرف کر کے  
لٹکاو۔ اور طرفیں دریافت کرو +

۳۰ پیمانہ نقشہ کسی پیمانہ پر بنایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک میل کی جگہ ایک فٹ یا ایک انچ وغیرہ سلیٹ یا کتاب کا نقشہ بورڈ پر رکھ کر اُسکی برابر کھینچو۔ اور یہ بات نکلواؤ کہ چھوٹی سی چیز کا پورا نقشہ بنا سکتے ہیں۔ کمرہ کا نقشہ کمرہ کے برابر بورڈ پر نہیں بنا سکتے۔ البتہ اگر ایک گز کی جگہ ایک انچ یا آدھ انچ رکھ لیں تو اُس کا نقشہ تھوڑی سی جگہ میں بن سکتا ہے۔ اب کمرہ کو ماپ کر کسی خاص پیمانہ کے موافق اُس کا نقشہ بورڈ پر بنا کر دکھاؤ + پیمانہ کے معنی سمجھاؤ۔ اور طلبہ سے نکلواؤ۔ کہ شہروں یا ملکوں کا نقشہ بناتے وقت اس سے بھی کم پیمانہ رکھنا پڑتا ہے مثلاً میل۔ دس میل۔ سو میل کی جگہ ایک انچ یا نصف انچ یا اس سے بھی کم۔ ضلع کے نقشہ صوبہ کے نقشے۔ اور ہندوستان کے نقشہ میں اس امر کا ثبوت۔ ہر نقشہ کا پیمانہ اس نقشہ میں کھا

# نشان

شہر کا نشان ○  
 دریا کا نشان —  
 جمیل کا نشان   
 پہاڑ کا نشان   
 ریگستان کا نشان .....

زمین پر شہروں - دریاؤں - جھیلوں - پہاڑوں  
 ریگستانوں کے ہونے کا تصور دلاؤ۔ شہروں کا  
 تصور طلبہ کے اپنے شہر یا گاؤں سے دریاؤں کا  
 قریب کے دریا یا ندی نالوں سے جھیلوں کا کچے  
 تالابوں سے - پہاڑوں کا ٹیلوں سے - ریگستانوں  
 کا ریتی زمینوں سے - جس سے طلبہ واقف  
 ہوں۔ مختلف نشانوں کی ضرورت اخذ کراؤ۔  
 ہر نشان کی شکل تختہ سیاہ پر بناؤ + ضلع کے  
 نقشہ اور ہندوستان کے نقشہ میں یا تصویر ناما  
 نقشوں میں شہر - دریا - پہاڑ وغیرہ کے نشان  
 دریافت کرو +

جغرافیہ (دنیا کا حال) نقشہ  
 ہی کے ذریعہ سے سکھایا جاتا  
 ہے۔ (مثلاً دنیا کے بڑے  
 بڑے حصے مشہور شہر - دریا  
 جھیل - پہاڑ - انکی جگہ و سمت  
 طلبہ سے اخذ کراؤ +

مختلف نقشوں میں ملکوں - شہروں وغیرہ  
 کی جگہ اہمیت دریافت کرو۔ انکی وسعت اور  
 فاصلہ کا باہم مقابلہ کراؤ۔ اور بہت سی مثالوں  
 سے اسکی توضیح کرو +

## ۵۔ استعمال اور فائدے

نتیجہ - مضمون سبق کا اعادہ کراؤ +

## ۵۔ سونا

تمہید۔ سونے کا سکہ یا زیور دکھا کر پوچھو۔ یہ کیا ہے۔ اور کس چیز سے بنا ہے؟  
سونے سے اب اس لفظ کے بجائے کرا کر لوڑ پر لکھ دو +

| سرخی     | مضمون                                          | طریقہ تعلیم                                                                                                                                                                                   |
|----------|------------------------------------------------|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| ۱۔ خاصیت | (۱) رنگ زرد۔ چمکدار                            | (۱) اور دھاتوں سے مقابلہ کرو۔ مثلاً لوہے<br>تانبے۔ سیسے کے ٹکڑے دکھا کر زرد اور چمکدار<br>نکلو او۔ پیتل۔ کانسی کے ٹکڑے دکھا کر سب سے<br>زیادہ زرد ہونا اخذ کرو۔ سنہری رنگ کے معنی<br>سمجھاؤ + |
|          | (۲) رنگ نہیں لگتا                              | (۲) رنگ آلودہ لوہے کا ٹکڑا دکھاؤ۔ بتاؤ کہ<br>خم ہو یا پانی کے اثر سے اور دھاتوں کو رنگ<br>لگ جاتا ہے۔ سونا اس نقص سے بری ہے                                                                   |
|          | (۳) بھاری۔ پانی سے                             | (۳) بتاؤ سب دھاتوں سے بھاری ہے۔<br>جس برتن میں ایک چھٹانک پانی آتا ہے<br>اگر اس میں سونا بگھلا کر بھریں تو آچھٹانک لگتا                                                                       |
|          | (۴) ملائم                                      | (۴) سونے کی چوڑی کے آسانی سے کھل جانے<br>اور بند ہو جانے سے یہ خاصیت نکلو او۔<br>خالص سونے کو سوئی یا چاقو سے کھینچ کر دکھاؤ<br>سیسے کو اسی طرح کر کے دکھاؤ۔ ملائم کے معنی بھلاؤ              |
|          | (۵) کٹ سکتا ہے۔ اسکے<br>نہایت ہی پتلے پتلے ورق | (۵) سونے کا ورق دکھا کر یہ خاصیت اخذ کرو<br>اس خاصیت کے متعلق نمبر ۱ و ۲ کو بیان                                                                                                              |

بن سکتے ہیں + کر کے طلبہ کو تعجب دلاؤ۔ ایک اینچ کا طول

د (۱) ۲۸۲۰۰۰ ورق اُوپر ماپ کر دکھاؤ۔ ایک مربع اینچ اور ۶ مربع

تلیے رکھیں تو صرف ایک اینچ کے معنی بتاؤ۔ اور انہی سطح بورڈ پر بنا کر

اینچ موٹائی ہوگی + دکھاؤ +

د (ج) ایک گرین سونے کو ایک گرین سونے کا ٹکڑا دکھاؤ۔ اور

کو ٹکڑا ۶ مربع اینچ کا ورق بتاؤ کہ گرین کوئی نصف رتی کا ہوتا ہے +

بنا سکتے ہیں +

د (۶) تار کھینچ سکتا۔ سب سونے کا نہایت ہی باریک تار دکھاؤ

دھاتوں میں زیادہ باریک ۱۰۰ فٹ لمبائی فیتہ سے ماپ کر تصور لاؤ

اسی کا بن سکتا ہے۔ ایک گرین سونے کا تار ۱۰۰ فٹ

لمبا کھینچ سکتے ہیں +

د (۷) پگھل جاتا ہے۔ مگر مشکل سے (۷) پوچھو سنار زریور بنانے سے پہلے

لوہے کے سوا سب دھاتوں سونے کو کیا کرتا ہے۔ اس پگھلنے کی

خاصیت نکلو او۔ لوہار کے لوہا نرم کرنے کے عمل سے مقابلہ کرو +

د (۸) اشرفی دکھا کر اخذ کراؤ سکے کیوں

بنتے ہیں + یہ دھات سب سے زیادہ قیمتی

اسے زنگ نہیں لگتا۔ سونے۔ چاندی اور دیگر دھاتوں کی قیمت کا مقابلہ

کر کے قیمتی ہونا اخذ کراؤ۔ اور خاصیت

حصہ بنا ہوتا ہے +

د (۹) سکے بنتے ہیں۔ ہر سکے میں گیارہ حصے سونا اور ایک

حصہ تانبہ ہوتا ہے +

۲۔ استعمال اور فائدہ

نمبر ۲ پر توجہ دلاؤ +

خالص سونے کی انگوٹھی اور اشرفی  
کو چاقو سے کھرچ کر دکھاؤ۔ اور خاصیت  
نمبر ۴ پر توجہ دلا کر تانبا ملانے کی وجہ  
اخذ کراؤ۔ کہ سنکے سخت ہو جاتے ہیں  
اور جلدی نہیں گھستے +

(۲) زیور - گھڑی - زنجیر - برتن -  
بٹن وغیرہ بنتے ہیں +  
(۲) طلبہ سے بعض زیوروں اور  
دوسری چیزوں کے نام دریافت کرو  
جو سونے سے بنتی ہیں +

(۳) گوٹہ - کنارمی - پیمک - کلاتو  
سونے کے تار سے بنتے ہیں +  
(۴) زیور اور برتنوں پر ملمع چڑھاتے  
ہیں +  
(۳) ان چیزوں کے نمونے دکھا کر نام  
پوچھو۔ نہ بتا سکیں تو خود بتاؤ +  
(۴) برتنوں پر رنگ کی قلمی چڑھانے  
سے مقابلہ کرو۔ سونے کے قیمتی ہو پر

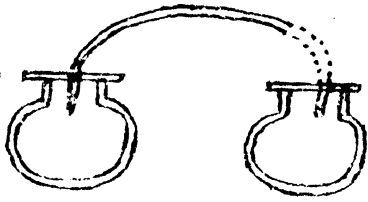
توجہ لاؤ۔ اور یہ بات نکلو کہ خالص سونے کے  
زیور اور برتنوں پر ہزاروں روپے صرف ہو  
اسلئے اکثر سونے کا ملمع اپن چڑھا دیتے ہیں  
اول۔ سونے کی خاصیت نمبر ۳ پر  
توجہ دلا کر یہ بات نکلو کہ سونا  
نکلتا ہے۔

(۱) ننھے ننھے ذرے۔ دریاؤں  
کی ریتی میں ملے ہوئے۔ ریت کو  
پانی میں مھو دھو کر سونا نکالتے ہیں  
بھاری ہونے کی وجہ سے نیچے بیٹھ  
جاتا ہے۔ اور ریت پانی کے ساتھ  
گھل کر نکل جاتی ہے +

۳۔ نکالنے کا طریق

(۲) ڈلے کے ڈلے۔ یہ بالکل خالص دووم۔ سونے کی ڈلی دکھا کر تصور ہوتے ہیں۔ انہیں صرف دھوا دلاؤ۔ دھونے کی وجہ نکھو او + پڑتا ہے +

(۳) سنگ سفید کے ساتھ ملاؤ سوم۔ بتاؤ کہ پتھر کا چور زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ پانی کے ساتھ گھل سکتا ہے اسلئے سونے کے ننھے ننھے ذرے دھونے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ تھوڑا سا پارہ طلبہ کو دکھاؤ۔ پارے کے اڑنے کی تمثیل عطاروں کے گلاب کھینچنے کے عمل سے در۔ بھسکے کی شکل تختہ بنا کر دکھاؤ۔



سونان ملکوں میں بہت ہوتا ہے ان مقامات کو بتا کر نقشہ پر دکھاؤ

(۱) ایشیا میں روس۔ جاپان۔

ہندوستان۔ ہندوستان میں

اکثر دریاؤں کی ریتی میں اور

خاصکر مغربی گھاٹ کی چٹانوں

میں +

حفظ

(۲) امریکہ میں - کیلی فورنیا - کالیفرنیا

مکسیکو - پیرو - چلی - برازیل

بولویا +

(۳) آسٹریلیا میں نیوزی لینڈ -

کونسلر لینڈ - وکٹوریہ - نو سو سو چھ

نتیجہ - سبق کی بڑی بڑی باتیں دہراؤ +

## فصل چہارم - طرز تعلیم

۲۶ - طرز تعلیم کی قسمیں تعلیم دینے کے دو طرز ہیں لکچر کا طرز اور سوال و جواب کا طرز +

(۱) لکچر - اسکا مطلب یہ ہے کہ اُستاد ہر ایک بات خود بتانا جائے - اور شاگرد بیٹھے سنا کریں +

(۲) سوال و جواب - اسکے یہ معنی ہیں کہ اُستاد اتنا تعلیم پیش کرے جو جواب لیتا رہے +

ان دو طرزوں کے علاوہ تعلیم کا طرز ایک اور بھی ہے - اس سے ہماری مراد ہے گھر پر کام بتانا - جس کا مقصد یہ ہے کہ معلم طلبہ کو کچھ کام بتائے - اور وہ خود اسکو پورا کریں - خواہ گھر پر - خواہ مدرسہ میں - لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ کوئی جداگانہ طرز نہیں ہے - بلکہ ہر دو طرز مذکور کا متمم ہے +

۲۷ - لکچر کا طرز - یہ طرز صرف اعلیٰ جماعتوں اور مستعد طلبہ کی تعلیم میں مفید ہو سکتا ہے - چنانچہ کالجوں میں یہی طرز استعمال کیا جاتا ہے - مگر سکولوں میں عموماً - اور چھوٹے بچوں کی تعلیم میں خصوصاً - اس طرز کو

کبھی بھولکر بھی اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ تعلیم میں طرح طرح کے نقص عائد ہونگے۔ مثلاً

(۱) معلم کو کچھ خبر نہوگی۔ کہ جو باتیں وہ طلبہ کو بتا رہا ہے۔ اُنہی استعداد کے موافق ہیں یا نہیں۔ اور سبق اُنکے دل پر نقش ہوا یا نہیں +

(۲) بچے دل لگا کر سبق کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان میں یہ قوت موجود نہیں ہوتی +

(۳) اُنکے دلوں میں کام کرنے کا مادہ اور شوق پیدا نہیں ہوگا۔ اور بولنا اور جواب دینا بھی اُنکو نہ آئیگا +

(۴) اُنکے قوائے عقلیہ پر مطلق زور نہ پڑیگا۔ اگر سب باتیں اُستاد ہی اُنکو بتا دیا کریگا۔ یا لکھا دیا کریگا۔ تو اُنکو اپنی عقل لڑانے کی کوئی ضرورت نہوگی

۲۸۔ سوال و جواب کا طرز۔ لکچر کے طرز میں جس قدر خرابیاں ہیں اُنکا

تدارک سوال و جواب کے طرز سے ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ جو فائدے سوال و جواب کے طرز سے ہیں۔ پھر سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ

(۱) اُستاد کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ طلبہ کی لیاقت کس قدر ہے۔ اور اُن کی

مشکلات کیا ہیں؟ اور اُسی کے موافق تعلیم کا ڈھنگ اختیار کر سکتا ہے

(۲) طلبہ سبق پر متوجہ رہتے ہیں۔ کیونکہ اُنکو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ایسا نہو

اُستاد ہم سے کوئی سوال پوچھ لے +

(۳) طلبہ میں اظہار خیالات اور ٹھیک جواب دینے کی قابلیت پیدا ہوتی

ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جو لوگ اکثر خاموش رہتے ہیں۔ اُنہی قوت گویائی

ضعیف ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے خیالات کو اچھی طرح ظاہر نہیں کر سکتے +

(۴) چونکہ اُستاد سبق کے مطالب کو طلبہ ہی سے اخذ کرتا ہے۔ اسلئے اُنکے

قولے عقلیت پر بھی زور پڑیگا +

(۵) طلبہ کا امتحان ہوتا رہتا ہے۔ اور انکو بذات خود علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے +

اگرچہ سوال و جواب کی طرز میں بہت سے فائدے ہیں۔ تاہم مدارس میں صرف اس طرز کو کام میں نہیں لانا چاہئے۔ بلکہ عمدہ طرز تعلیم وہی ہے جس میں دو نو طرزوں کو اندازہ مناسب کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے۔ لکچر کا طرز تو اسوجہ سے کہ جس بات کو طلبہ خود دریافت نہیں کر سکتے۔ یا جسکے دریافت کرنے میں بہت سا وقت صرف ہوتا ہے۔ اُس بات کو اُستاد بتا دے۔ اور سوال و جواب کا طرز اس واسطے کہ اُسکو معلوم ہو جائے۔ کونسی باتیں طلبہ کو بتانی چاہئیں۔ اور جو باتیں وہ آسانی کے ساتھ دریافت کر سکتے ہیں۔ انکو حتی الامکان خود ہی دریافت کر لیں +

اب ہم سوالات و جوابات کا حال اور ہر ایک کی قسمیں جدا جدا بیان کریں گے +

## اول۔ سوالات

۲۵۔ اقسام سوالات۔ سوالات کی تقسیم دو طرح ہو سکتی ہے۔ (۱) بلحاظ

اغراض (۲) بلحاظ ہیئت سوال +

(۱) اغراض کے اعتبار سے سوالات کی تین قسمیں ہیں۔ ابتدائی، سقراطی، امتحانی +

(۲) ابتدائی سوالات۔ یہ سوالات سبق سے پہلے کئے جاتے ہیں۔ ان سے

یہ غرض ہوتی ہے۔ کہ اُستاد کو طلبہ کی لیاقت ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکے تاکہ انکی ذائقیت سابقہ کو نئے سبق کا عنوان بنا کر تعلیم دینی شروع کر سکے +

(ب) سقراطی سوالات۔ انکو گفتگوئے سقراطی یا سوالات تحقیقی بھی کہتے ہیں۔ ایسے سوالوں سے یہ غرض ہے۔ کہ اصل حقیقت یا نئی باتوں کو طلبہ خود دریافت کریں۔ اس میں اُستاد کو کچھ بتانا نہیں پڑتا۔ سب باتیں طلبہ ہی سے نکلوا لیتا ہے +

(ج) سوالات امتحانی۔ ان سوالوں سے یہ غرض ہے کہ جو کچھ طلبہ نے پڑھا ہے اسکا امتحان ہو جائے کہ انکو صحت کے ساتھ آگیا ہے یا نہیں +

۲۔ ہیئت یا صورت کے اعتبار سے بھی سوالات کی تین قسمیں ہیں۔ انفرادی اجتماعی۔ جماعتی۔ جماعتی۔

(۱) انفرادی سوالات وہ ہیں جو ایک ایک طالب علم سے فرداً فرداً پوچھے جائیں

(ب) اجتماعی سوالات وہ ہیں جو کل جماعت سے پوچھے جائیں۔ اور سب لڑکوں سے ایک ساتھ جواب لیا جائے +

(ج) جماعتی سوالات۔ ایسی انفرادی اور اجتماعی دونوں طرزوں کو ملا دیا جاتا ہے +

۳۔ ابتدائی سوالات۔ اس امر کا تصنیف کہ نئی تعلیم کس حد سے شروع ہونی چاہئے۔ صرف ابتدائی سوالات پر منحصر ہے۔ پس ان سوالات کی بابت عام ہدایت یہی ہے کہ اُستاد سبق پڑھانے سے پہلے پے درپے سوالات

لے سقراط۔ زمانہ قدیم میں یونان کا نامی گرامی حکیم ہوا ہے چونکہ اسکے ہموطن سچے اصول اور اخلاقی مسائل سے بے بہرہ تھے۔ اس نے ان کے خیالات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا مگر بجائے اسکے کہ انکو واقعات صحیحہ کی تعلیم دینے کا دعویٰ کرے اسنے ان سے اس طرز کے سوالات کرنے شروع کئے کہ رفتہ رفتہ وہ خود اصل حقیقت تک پہنچ کر اپنی غلطی کے مقرر ہو گئے۔ برعکس اس کے اگر سقراط صاف صاف طور پر ان سے کہنا کہ تم غلطی پر ہو تو اسکی کوئی نہ سنتا پڑتا

پوچھتا رہے۔ یہاں تک کہ اُسکو خوبی معلوم ہو جائے۔ کہ طلبہ کی استعداد کس حد تک ہے۔ اسلئے ضرور ہے کہ یہ سوالات

(۱) مختصر ہوں۔ تاکہ سبق کے لئے وقت باقی رہے۔ تمام وقت سوالوں ہی میں صرف ہو جائے +

(۲) گہرے اور تہ دار ہوں۔ تاکہ ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جائے۔ کہ طلبہ کو کیا آتا ہے۔ اور کیا نہیں آتا؟  
ان سوالوں سے یہ قائدے ہیں :-

(۱) نئے سبق کے لئے رستہ صاف ہو جاتا ہے +

(۲) طلبہ کی طبیعت اُس طرز کی عادی ہو جاتی ہے۔ جس طرز سے تحصیل علم ہونی چاہیے  
(۳) طلبہ کو صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اُنکے علم کی وسعت کہاں تک ہے۔ یعنی اُنکو کیا آتا ہے اور کیا نہیں آتا۔ اس عادت کا پیدا ہونا تحصیل علم کے لئے نہایت مفید ہے +

(۴) طلبہ کو نئی معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سبق پر توجہ بھی جم کر کرتے ہیں +

۱۱۔ سقراطی سوالات۔ تعلیم کا معمولی کام انہی سوالات کے ذریعہ سے چلتا ہے

چونکہ مقصد ان سوالوں سے یہی ہے۔ کہ طلبہ خود بخود اصل حقیقت تک

پہنچ جائیں۔ اسلئے ان میں امور مندرجہ ذیل کا لحاظ رکھنا لازم ہے +

(۱) سوالات کی ترتیب منطقی ہونی چاہئے۔ یعنی اُن کا سلسلہ اس قسم کا ہو

کہ ایک سوال سے جو نتیجہ یا جواب نکلا ہے وہ دوسرے سوال میں کام آئے

(۲) جوابات طلبہ سے اخذ کرانی ہے معلم کو خود نہیں بتانی چاہئے۔ جن

وسائل سے اصل حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ وہ دکھائی جائیں۔ مگر وہ

حقیقت نہ بتائی جائے +

(۳) اگر کسی سوال کا جواب نہ ملے تو ایک دو قدم پیچھے ہٹنا۔ اور اسی سوال کے

ایک دو سیدھے سادے جزو کر کے آسان طرز سے پھر لوچھنا چاہئے +

(۴) ان سوالوں میں وقت کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہئے۔ مقدم بات یہ ہے

طلبہ خود اس کام کو کریں خواہ کتنا ہی وقت صرف ہو +

(۵) کسی شے کی نسبت یہ فرض نہیں کر لینا چاہئے۔ کہ طلبہ اسکو جانتے ہیں۔

جب تک خوب تحقیق نہ ہو جائے کہ فی الواقع وہ اسکو جانتے ہیں +

(۶) یہ سوالات طلبہ کی لیاقت سے باہر نہیں ہونے چاہئیں۔ بلکہ انکی استعداد

کے موافق آسان یا مشکل ہونے چاہئیں +

اگرچہ ایسے سوالات فی نفسہ نہایت مفید اور تعلیم کے ذہن نشین کرنے کے لئے

ضروری ہیں۔ تاہم انکو طرز تعلیم کا ایک جزو سمجھنا چاہئے۔ جس میں لکچر اور سوالات

دونوں ملے ہوئے ہوتے ہیں (دیکھو دفعہ ۲۸) +

۳۲۔ نمونہ سوالات سقراطی۔ یہاں سوالات سقراطی کا ایک نمونہ لکھنا

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ معلول کو ایسے سوالوں سے واقفیت ہو جائے

فرض کرو۔ سقراط کا مطلب یہ ہے کہ ایک لڑکے کو خود بخود یہ بات معلوم ہو جائے

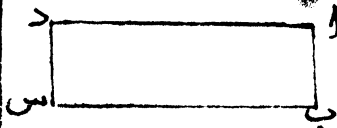
کہ اگر کسی مستطیل کے چاروں ضلع دو چن کر دیے جائیں۔ تو اسکی سطح ڈگنی نہیں

بلکہ چوگنی ہو جائیگی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے سقراط سوال کرتا ہے

اور لڑکا جواب دیتا ہے +

سقراط (تختہ سیاہ پر ایک شکل مستطیل کھینچ کر) یہ شکل ا ب س د کیسی ہے

لڑکا۔ جناب یہ مستطیل ہے۔



سقراط۔ مستطیل کیوں ہے؟

لڑکا۔ اس واسطے کہ اسکے سب زاویے (ا ب۔ س۔ د) قائمے ہیں۔ اور مقابل کے ضلع (د۔ ب۔ س۔ اور ا ب۔ د س) باہم برابر ہیں +

سقراط۔ بھلا اگر اس مستطیل کے چاروں ضلعے دگنے کر دیے جائیں تو اُسکی سطح کیا ہوگی

لڑکا۔ جناب سطح بھی دو چند ہوگی  
سقراط۔ بھلا ہم اس مستطیل کے  
چاروں ضلعوں کو دو چند

کرتے ہیں۔ د ا اور س ب کو ا اور ب کی طرف بڑھاتے ہیں اور ا ب اور د س کو ب اور س کی طرف۔ جیسا کہ شکل سے ظاہر ہے۔ اب بتاؤ تو یہی کہی گئی شکل بنے گی +

لڑکا۔ جناب یہ بھی مستطیل ہے +

سقراط۔ یہ مستطیل پہلے مستطیل سے کے گنا ہے ؟

لڑکا۔ چو گنا ہے +

سقراط۔ یہ کیا ہوا۔ یہ تو تمہارے کہنے کے موافق دگنا ہوا بلکہ چو گنا ہو گیا +

لڑکا۔ بیشک جناب یہ تو چو گنا ہو گیا +

سقراط۔ اس سے عام نتیجہ کیا نکلا ؟

لڑکا۔ اگر کسی شکل مستطیل کے سب ضلعوں کو دو گنا کر دیا جاوے۔ تو اُسکا رقبہ

پہلے سے چو گنا ہوگا +

اس مثال سے ظاہر ہے کہ لڑکے نے جو غلطی کی تھی اُسکو کیسی اچھی طرح درست کیا

کہ وہ خود بخود مطلب صحیح کی طرف آ گیا +

۳۳۔ امتحانی سوالات۔ چونکہ امتحانی سوالات کی غرض اور قسم کے سوالوں

مختلف ہے۔ اسلئے انکے قاعدے بھی علیحدہ ہیں۔ ان سوالوں میں یہ صفت ہو چاہیے

(۱) سوالات تہ دار ہوں۔ تاکہ جن طلبہ نے سبق کو سرسری طور پر یاد کیا ہے اسکی قلعی کھل جائے۔ اور جنہوں نے محنت اٹھا کر یاد کیا ہے، انکو اپنی محنت کی داد ملجائے +

(۲) اس غرض سے سبق کی مشکل باتوں کو زیادہ زور دیکر پوچھنا چاہئے۔ اور جو باتیں صاف اور سہل ہوں، اُن پر زیادہ توجہ نہیں کرنی چاہئے +

(۳) سوالات مقررہ سبق کی حد سے باہر نہ ہوں۔ یعنی جتنا سبق طلبہ یاد کر کے لائے ہیں اُسکے اندر اندر سوال ہونے چاہئیں +

(۴) ایسے سوال نہیں ہونے چاہئیں جن میں جواب کا کچھ حصہ ملا ہوا ہو۔ یا جواب کی طرف اشارہ ہو +

۳۴۔ اقسام سہ گانہ کا یا بھی تعلق۔ سوالوں کی جو تین قسمیں ابتک بیان ہوئیں یعنی ابتدائی، سقراطی، امتحانی۔ اُنکے امتحان کا موقع ہمیشہ متاثر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ آنکھ جدا جدا کام میں لائے۔ بلکہ ساتھ ساتھ ایک سبق میں استعمال کر سکتا ہے +

ابتدائی سوالات تو سبق پڑھانے سے پہلے ہی ہوا کرتے ہیں۔ مگر اثنائے سبق میں سقراطی اور امتحانی سوالات کا بھی ساتھ ساتھ کام چڑتا ہے۔ مثلاً زبانی تعلیم میں جیسے ہشیا کے سبق ہیں۔ جو باتیں بذریعہ سوالات سقراطی طلبہ سے اخذ کرائی گئی ہیں۔ سبق کے آخر میں ان ہی باتوں کو امتحانی سوالات کے ذریعہ سے دریافت کیا جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ طلبہ انکو سمجھ گئے ہیں یا نہیں یا مثلاً طلبہ سبق یاد کر کے لائے ہیں اور معلم اُنکا امتحان لے رہا ہے۔ تو بعض اوقات ایسا موقع پیش آجاتا ہے۔ کہ چند ضروری باتوں کو زیادہ توضیح و تشریح کے ساتھ سمجھانا پڑتا ہے۔ اُسوقت سقراطی سوالات سے کام لیا جاتا ہے +

سوالات کی یہ دو قسمیں ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر وابستہ ہیں کہ نا تجربہ کار آدمی ان میں تمیز نہیں کر سکتا۔ معلم کو لازم ہے کہ ان دونوں کو بخوبی سمجھے کیونکہ عمدہ تعلیم کی غرض سے انکا ملانا ضروری ہے۔ اور وقتاً فوقتاً ایک قسم کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کرنا پڑتا ہے +

### ۳۵۔ اچھے اور ناقص سوال معقول اور درست سوال پوچھنے

سے طلبہ کو تعلیم کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جب انکو معلوم ہو جائیگا کہ ہمارا پورا پورا امتحان ہوگا۔ اور جو محنت سے سبق یاد کر کے لایگا۔ اسکی تعریف ہوگی۔ تو انکو خود بخود محنت کا خیال پیدا ہوگا +۔ برعکس اس کے اگر سوالات ادھورے نامناسب و بے ٹھکانے ہوں گے تو انکو بیچ جانے کا موقع ملے گا۔ اور سبق کو صرف سرسری طور پر کچا یاد کر کے لائیں گے +

اچھے سوالوں کے خواص سات ہیں +

(۱) محدود ہوں یعنی ہر سوال کا ایک ہی جواب ہو سکے۔ ورنہ طلبہ اسکل بچو جواب دینگے۔ اور یہ عادت سخت مضرب ہے +

(۲) صاف ہوں اور صفائی کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ تاکہ انکا مطلب سمجھنے میں دقت نہ ہو +

(۳) مختصر ہوں۔ یعنی کم سے کم الفاظ میں ادا کئے جائیں۔ لمبے۔ چوڑے سوالوں کا مطلب اکثر سمجھ میں نہیں آیا کرتا +

(۴) معقول ہوں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد اور سمجھ سے باہر نہوں۔ اگر بہت مشکل سوال کئے جائیں تو اس سے دو نتیجے پیدا ہوں گے۔

(۱) قیاس یعنی اٹکل بچو جواب دینا۔ اور (۲) خاموشی یعنی مطلق جواب دینا یہ دونو عادتیں تعلیم کے لئے مضرب ہیں +

(۵) جواب کی طرف اشارہ نہ کریں۔ اگر سوال ہی سے جواب کا پتہ مل گیا۔ تو طلبہ کی عقل پر بالکل زور نہیں پڑیگا +

(۶) کتابی نہوں۔ یعنی کتاب ہی کی عبارت میں ادا نہ کئے جائیں۔ ورنہ بے سمجھے طوطے کی طرح یاد کر کے جواب لیکتے ہیں + اسلئے مناسب ہے کہ معلم کتاب کی عبارت کو بدل کر اپنی عبارت میں سوال پوچھے۔ اور طلبہ سے بھی انہی کی عبارت میں جواب لے۔ یہ عام قاعدہ ہے۔ مگر بعض صورتوں میں کتاب ہی کے لفظوں میں جواب لینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً صرف نحو کی اصطلاحات۔ قلیدس کی حدود وغیرہ +

(۷) ایسے نہوں جنکا جواب صرف ہاں یا نہیں ہو سکتا ہو۔ کیونکہ ان میں کچھ سوچنا نہیں پڑتا۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس قسم کے سوالوں سے چارہ نہیں۔ مثلاً طلبہ سے کسی نتیجہ کے اخذ کرانے کے لئے بہت سی گفتگو کے بعد آخر میں ایسا سوال آجاتا ہے جس کا جواب صرف ”ہاں“ یا ”نہیں“ ہوتا ہے۔ مگر اس صورت کو مستثنیٰ خیال کرنا چاہئے +

عمدہ سوالوں سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو بلا وساطت صاف و صحیح طور پر غور و خوض کی عادت پیدا ہو۔ پس ناقص سوالات (جو عمدہ سوالات کی ضد ہیں) طلبہ کے عقل لڑانے اور غور و فکر کرنے میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ اور غفلت اور بے توجہی کی عادت پیدا کرتے ہیں + بیان مندرجہ بالا کی رو سے ناقص سوالات کی بھی حسبِ میل سات قسمیں ہیں +

(۱) غیر محدود یعنی وہ سوال جن کے معنی بہت وسیع ہوں۔ مثلاً ”ہم کو کیا کرنا چاہئے“ ”ہندوستان کے جغرافیہ کا حال لکھو“ وغیرہ

(۲) مبہم یا مشتبہ۔ جن میں کسی لفظ یا اصطلاح و یا شبہ کے باعث ایک سے

زیادہ جواب ہو سکتے ہوں +

(۳) طویل - یعنی وہ سوال جو لمبی چوڑی عبارت میں ادا کئے جائیں

(۴) غیر معقول یا اداق - جن کا جواب دینا طلبہ کی بساط سے باہر ہو۔

اگر ایسا سوال کیا جائے جس کا جواب کوئی طالب علم نہ دے سکے - تو عموماً معلم پر الزام ہے - کہ اس نے جماعت کی یافت کا اندازہ نہیں کیا - لیکن کبھی کبھی کسی بات کی طرف شوق اور توجہ دلانے کے لئے عمدہ معلم کو ایسا سوال پوچھنا پڑتا ہے +

(۵) جواب کی طرف اشارہ کر نیوالے یا ایسے سوال جن میں جواب داخل ہو - اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معلم غیر محدود سوال پوچھتے پوچھتے جب اُس کو کوئی جواب نہیں ملتا - تو اس قسم کے سوال کرنے لگتا ہے - مثلاً فرض کرو کہ اُستاد نے سوال کیا - ”سیسہ کی کوئی اور خاصیت بتاؤ“ اور طلبہ نے جواب نہ دیا - یا جو جواب اُستاد چاہتا ہے وہ نہ ملا - اس وقت وہ پہلے سوال کو بد لکر غالباً اس طرح سوال کریگا - کہ ”سیسہ نرم ہے یا سخت“ پہلا سوال غیر محدود ہے اور دوسرا جواب کی طرف اشارہ کرنے والا +

(۶) کتابی - جو لفظ بلفظ کتاب کی عبارت میں ادا کئے جائیں +

(۷) ایسے سوال جن کا جواب صرف ”ہاں“ یا ”نہیں“ ہو سکتا ہو +

۳۶ - انفرادی سوالات - چونکہ جماعت بہتے افراد کا مجموعہ ہے - اسلئے

بادی النظر میں قیاس یہی چاہتا ہے - کہ طلبہ سے فرداً فرداً سوالات پوچھے جائیں مگر غور سے دیکھا جائے تو اس قسم کے سوالوں سے یہ نقصان ہیں +

(۱) جب معلم ایک طلبہ سے سوال کرتا ہے تو باقیوں کی توجہ قائم نہیں ہو سکتی

(۲) ہر ایک طلبہ کو تعلیم کا صرف تھوڑا سا حصہ ملتا ہے - تمام تعلیم سے تمام

جماعت مستفید نہیں ہو سکتی +

اگر جماعت میں تعداد طلبہ کم ہو۔ اور جلد جلد سوال پوچھے جائیں۔ تو یہ نقص کی قدر رفع ہو سکتے ہیں۔ بڑی جماعتوں میں بھی اس خرابی کا کی قدر تدارک اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ معلم باری باری سوال نہ کرے۔ بلکہ بے ترتیب جس طالب علم سے چاہے سوال پوچھ لے۔ اس ترکیب سے تمام طلبہ متوجہ رہینگے اور اپنی اپنی باری کا حساب لگا کر غافل نہیں رہ سکتے +

اگر معلم کل جماعت کی توجہ پر بھروسہ ہو تو سوالات کے اس طرز پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر سکولوں کی جماعتوں میں عموماً توجہ کی عادت نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے محض انفرادی سوالات جماعت کی تعلیم کے لئے مناسب نہیں ہیں البتہ اگر جماعت کا امتحان لینا مقصود ہے تو اسی قسم کے سوالات کرنے چاہئیں

۳۔ اجتماعی سوالات۔ اس طرز کے سوالوں میں کل جماعت کو فرداً فرداً قرار دیکر سب سے سوال کیا جاتا ہے۔ اور سب ملکر جواب دیتے ہیں۔ اس سے غرض یہ ہے کہ کل طلبہ کام میں لگے رہیں۔ یہ ڈھنگ بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہر سوال کا جواب کسی نہ کسی طرح مل ہی جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہو رہی ہے۔ لیکن فی الحقیقت اس میں بہت سے نقص ہیں +

(۱) ڈرپوک۔ سست اور کم لیاقت طلبہ لکل جواب ہی دینگے

(۲) بعض طالب علم دوسروں سے سُنکر جواب دینگے +

(۳) چند لائق اور پیشہ دست طلبہ تمام جماعت کی طرف سے جواب دیتے رہینگے

(۴) جواب دینے میں طلبہ کو عقل لڑانے کی مطلق ضرورت نہیں پڑیگی

اور اسی وجہ سے اگر فرداً فرداً ان کا امتحان لیا جائے تو کچھ کا کچھ جواب دینگے

(۵) بہت سے لوگوں کے ایک ساتھ بول اُٹھنے سے جواب سُنائی نہیں دینگے۔ اور سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ اس سے تعلیم میں ایک طرح کی ابتری پیدا ہوگی۔

یہ سوال بھی جماعت کی تعلیم کے لائق نہیں ہیں۔ لیکن تعلیم کے نتائج کو ذہن نشین کرنے کی غرض سے بعض صورتوں میں انکا استعمال مفید اور ضروری ہے۔ مثلاً معلم کوئی خاص بات (الفاظ کا تلفظ۔ بچے۔ حساب۔ پہاڑے۔ گرمی کی اصطلاحیں۔ جغرافیہ کی تعریفیں۔ تاریخ کے سن۔ سبق کا خلاصہ وغیرہ) تمام جماعت کے دل پر نقش کرنا چاہتا ہے۔ تو سب طلبہ سے جتنی مرتبہ مناسب سمجھے کہلائے۔ اس مشق میں انکو بار بار بلند آواز سے بولنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکا بہت اثر ہوتا ہے۔

۳۸۔ جماعتی سوالات۔ چونکہ سوالوں کے دو نو طرز انفرادی اور اجتماعی علیحدہ علیحدہ مفید نہیں ہیں۔ اسلئے ان دونو کو ملا کر جماعتی سوالات کرنے چاہئیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کل جماعت سے سوال کیا جائے۔ اور بھڑکی مہلت کے بعد کسی ایک طالب علم کو جواب دینے کے واسطے منتخب کیا جائے۔ مگر بہتر ہے کہ پہلے ہی سے طلبہ کو اس بات کی ہدایت کر دی جائے۔ کہ جو سوال کا جواب جانتے ہوں۔ وہ اپنا ہاتھ اٹھا لیا کریں۔ اب معلم ان میں سے جس سے چاہے سوال پوچھ لے۔ جن طالب علموں کا اس جواب سے اطمینان نہ ہو۔ وہ اپنا ہاتھ بدستور اٹھا لے رکھیں۔ اسی طرح اسناد ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اُس سے کہے کہ تم اس جواب کو درست کرو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں صرف اتنی احتیاط رکھنی چاہئے۔ کہ سوالوں کا جواب سب سے لیا جائے یہ نہ ہو کہ چند ہوشیار طالب علم ہی جواب دیتے رہیں۔ اور باقیوں سے ایک

جواب بھی نہ لیا جائے +

اس طرز سے یہ فائدے ہیں +

(۱) طلبہ سبق پر متوجہ رہتے ہیں۔ اور اپنی باری کا حساب لگا کر غافل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انکو یہ خبر نہوگی کہ کس وقت کس سے سوال پوچھا جائیگا +

(۲) ہر ایک طالب علم کی طبیعت پر جواب سوچنے کے لئے زور پڑتا ہے +

(۳) جوابات زیادہ سے زیادہ تمام جماعت کو آتی ہے وہ جلد معلوم ہو جاتی یہ سوالات عموماً ادا کرنے اور متوسط جماعتوں کے واسطے مناسب سمجھے جاتے ہیں۔

۱۔ اعلیٰ جماعتوں میں طلبہ کو مسلسل طور پر توجہ کرنے کی زیادہ عادت ہوتی انکی تعلیم میں انفرادی سوالات سے بھی کام لینا چاہئے تاہم انکی توجہ کا امتحان کرنے کی غرض سے کبھی کبھی ایک طالب علم کو چھوڑ کر باقیوں سے بے ترتیب سوال پوچھ لینے چاہئیں +

۳۹۔ سوالات مخدوفی - سوالات کی چھ قسمیں جواب تک لکھی گئی ہیں

وہ استفہامیہ صورت سے متعلق ہیں۔ یہ وہ صورت ہے جس میں سوال پوچھا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک صورت اور بھی ہے جسے مخدوفہ صحت کہتے ہیں۔ اس میں سوال پوچھا نہیں جاتا۔ بلکہ استاد جملے کا بہت سا حصہ خود پڑھ کر باقی ماندہ طلبہ سے پورا کرتا ہے۔ مثلاً ”خاندان مغلیہ میں سے سب سے زیادہ عادل اور منتظم بادشاہ“ یہ کہہ کر استاد خاموش ہو جائے۔ اور لڑکے جلدی سے کہیں ”اکبر تھا“

ان سوالوں کے فائدے حسب ذیل ہیں +

(۱) سبق کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور طلبہ کی عقل پر بہت زور نہیں پڑتا +

(۲) چونکہ ان سوالوں کا طرز آسان اور بے تکلف ہوتا ہے۔ اس واسطے ہر ایک

طالب علم کو جواب دینے کی تقویت ہوتی ہے۔ اور توجہ کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ (۳) معلم طلبہ کے طرز خیال کو اپنے ڈھنگ پر لاتا ہے۔ اور اُسکے خاموش ہونے ہی طلبہ اُسکے خیال کو اختتام پر پہنچا دیتے ہیں +

رہی یہ بات کہ کن جماعتوں میں ایسے سوالوں سے کام لینا چاہئے۔ اس بارہ میں عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ یہ سوال اعلیٰ جماعتوں کے لائق نہیں ہیں۔ اگرچہ گاہے گاہے ہر ایک جماعت میں ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ اولیٰ جماعتوں اور بالخصوص ایجنڈہ خواں بچوں کے لئے یہ سوالات زیادہ تر موزوں ہیں۔ کیونکہ انہی قوت بیانیہ کمزور ہوتی ہے۔ اور وہ پورا جواب نہیں دیکتے۔ بلکہ ان جماعتوں میں بھی صرف انہی سوالوں سے کام لینا ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ محذوفی سوالات کے ساتھ معمولی یعنی استفہامی سوالات بھی پوچھنے چاہئیں محذوفی سوالات اور استفہامی سوالات میں صرف شکل کا فرق ہوتا ہے۔ پس جو قواعد استفہامی سوالات کی بابت بیان ہوئے ہیں۔ وہی محذوفی سوالات بھی صادق آتے ہیں۔ مگر ہدایات مفصلہ ذیل صرف محذوفی سوالات کے متعلق ہیں (۱) جو لفظ یا الفاظ حذف کئے جائیں وہ بہت ہی مشہور ہونے چاہئیں تاکہ طلبہ کا ذہن فوراً ادھر منتقل ہو جائے +

(۲) جو عبارت حذف کرنی ہے وہ جماعت کی استعداد کے موافق کم و بیش پیچیدہ ہو سکتی ہے۔ مگر ایسی نہیں ہونی چاہئے۔ کہ اگر اُسکی جگہ مختلف لفظ رکھ دیے جائیں تو بھی مطلب پورا ہو جائے +

(۳) جس وقت اُس لفظ کی جگہ آئے۔ تو طلبہ کو پہلے سے اُسکی اطلاع نہیں کرنی چاہئے۔ مثلاً بعض معلمین موقع حذف پر یا تو آواز کو بلند کر دیتے ہیں۔ یا کچھ اشارہ کر دیتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوا تو طالب علم

صرف اُس لفظ پر دھیان کریں گے۔ تمام کلام کو توجہ سے نہیں سنیں گے +  
 (۴) حذف خیالات سے وابستہ ہونا چاہئے۔ محض الفاظ کا حذف کرنا بیفائدہ ہے۔ مثلاً سوال مذکورہ بالا میں لفظ ”اکبر“ حذف کرنے کی بجائے صرف لفظ ”تختا“ حذف کریں۔ تو اس قسم کے سوال کا مقصد بالکل فوت ہو جائیگا +  
 (۵) لفظ محذوف کا کوئی جزو بھی نہیں ہونا چاہئے۔ لفظوں کو آدھا بولکر طلبہ سے پورا کرنا فعلِ عبث ہے +

(۶) محذوفی اور استفہامی سوالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ گڈ کرنا نہیں چاہئے +  
 (۷) اگر کسی محذوفی سوال کا جواب نہ ملے۔ تو اُس کو دوبارہ سُنانا جائز ہے۔ ایسے موقع پر اُس کو نئی عبارت میں ادا کرنا چاہئے۔ اور اگر غلط جواب ملے۔ تو سب سے بہتر یہ ہے۔ کہ طلبہ سے ایسے سوال کئے جائیں کہ وہ خود بخود اپنی غلطی کو درست کر لیں +

## دوم۔ جوابات

۳۔ جوابات۔ سوالات کی قسمیں۔ اور ہر قسم کا محل استعمال اور ضروری ہدایتیں بیان ہو چکیں۔ اب ہم جوابات کے متعلق لکھتے ہیں۔ معلم کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اُس کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ جو جواب طلبہ دیں۔ انکو سن لیا کرے۔ بلکہ زیادہ تر ضروری بات یہ ہے۔ کہ کل جماعت کو جواب دینے کی عادت ڈلوائے۔ اسلئے ان باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے +  
 (۱) معلم طلبہ کا دل بڑھاتا رہے۔ اور اُن پر یہ بات ظاہر کر دے۔ کہ مجھے تم سب سے جواب دینے کی توقع ہے +

(۲) جو طلبہ خاموش رہنا چاہتے ہیں یا سبق کو بے توجہی سے سنتے ہیں

اُنکی طرف خاصکر مخاطب ہو کر سوال پوچھے۔ چند لائق اور شوقین طلبہ پر توجہ کرنا۔ اور باقیوں کو اُنکی قسمت پر چھوڑ دینا۔ استبازی اور حق شناسی سے نہایت بعید ہے +

(۳) طلبہ کو معلم پر پورا پورا اعتماد ہو۔ اگر اُنکے دل میں یہ ڈر بیٹھ گیا۔ کہ غلط جواب دینے سے اُستاد خفا ہوگا۔ یا سزا دیگا۔ تو حتی المقدور جواب دینے میں تساہل کریں گے +

(۴) جو دہائیتیں جوابوں کے تصنیف کی بابت درج ہیں اُنکی پابندی سے بھی طلبہ کو جواب دینے کی عادت اور ترغیب پیدا ہوتی ہے +

۴۱۔ اچھے جوابوں کے خواص۔ اچھے جوابوں میں تین وصف ہوتے ہیں۔ صحت۔ صفائی۔ غور و فکر +

(۱) صحت۔ جواب صحیح ہنوا تو جواب ہی کیا ہوا؟

(۲) صفائی۔ جو جواب طلبہ دیں اُسکو انہی سے صاف طور پر اور پورا پورا کہنا چاہئے۔ اسکا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ اُنکے خیالات میں صفائی پیدا ہوگی۔ طرز بیان میں سلاست اور روانی آجائیگی۔ بعض طالب علم جواب کی طرف اشارہ ہی کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور معلم سے اُسکو پورا کر دینے کی توقع رکھتے ہیں۔ اکثر معلم ایسے جوابوں کو منظور کر لیتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ اسلئے ہمیشہ پورا جواب لینا چاہئے (۳) غور و فکر۔ یعنی سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ اس عادت کو ترقی دینے کے لئے

لازم ہے کہ:-

۱۔ جواب سوچنے کے لئے کافی وقت دیا جائے۔ اگرچہ بعض صورتوں میں فوراً

جواب دے سکتے ہیں لیکن اکثر صورتوں میں اور خصوصاً مشکل سوالوں میں غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے

۲۔ جس طالب علم کے جواب میں غور و فکر پایا جائے۔ اُسکو مشابہت

دیکر دل بڑھایا جائے۔

ج۔ خود معلم کے سوال فی نفسہ معقول اور عمدہ ہوں۔ کیونکہ عمدہ ہی سوال کا جواب عمدہ ملتا ہے۔ ناقص سوالوں میں طلبہ سے غور و فکر کی توقع رکھنی محض لغو ہے +

۴۲۔ جوابات کا تصفیہ۔ جوابوں کا تصفیہ کرنے یا طلبہ سے جواب لینے میں معلم بالعموم دو متضاد غلطیاں کیا کرتے ہیں۔ اسے ہمیشہ بچنا چاہئے +  
(۱) بعض معلم ہر جواب کو جو ان کے طرز خیال سے مختلف ہو۔ نا منظور کر دیتے ہیں۔ معلم کے لئے تو یہ بات آسان ہے۔ اسکو کچھ دوسری اٹھائی نہیں پڑتی مگر طلبہ کے حق میں سخت مضر ہے۔ مختلف طبیعتوں میں طرز فکر بھی مختلف ہوتا ہے۔ پس جو استاد شاگردوں کے خیالات کو آزادانہ طور پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ وہ انکی ترقی عقل کو روکتا ہے +

(۲) برعکس اسکے بعض معلم طلبہ کے تمام جوابوں کو منظور کر لیتے ہیں۔ انہیں نہ تو کوئی سقم نکالتے ہیں۔ اور نہ کچھ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ڈھیلے ڈھالے اور گویا مجبورانہ طور پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ”ہاں ٹھیک ہے“ اور کبھی سقم بھی نکالتے ہیں تو لغو اور بے معنی + جوابوں کے تصفیہ کا ڈھنگ جو فن تعلیم کا ایک جزو اعظم ہے۔ ان دونوں طرزوں میں مفقود ہے +  
ہر جواب کو دو کسوٹیوں پر پرکھنا چاہئے۔ اول صحت دوم غور و خوض اس لحاظ سے طلبہ کے جواب مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ بعض بالکل غلط۔ اور بعض کچھ صحیح۔ کچھ غلط۔ اسی طرح بعض جوابوں میں زیادہ غور و خوض پائی جاتی ہے۔ اور بعض میں کم۔ پس جوابوں کا تصفیہ کرنے میں ان ہدایتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے +

(۱) اگر جواب کچھ صحیح۔ کچھ غلط ہو تو اُسکو بالکل صحیح مان لینا یا بالکل غلط کہہ دینا نہیں چاہئے۔ بلکہ غلطی کو صحیح کر کے یہ کہہ دینا چاہئے۔ کہ اسقدر جواب صحیح ہے اور میں اس سے خوش ہوں۔ تاکہ طالب علم کی سمیت بڑھے۔ اور آئندہ بھی کوشش کرے +

(۲) اگر جواب میں کچھ تھوڑی غلطی ہو تو جہاں تک ہو سکے غلطی کرنے والے ہی سے اُسکو صحیح کرایا جائے۔ یہ بات ممکن نہو۔ تو دیگر طلبہ سے اُسی جواب پر اور ایک دو سوال پوچھنے سے۔ طالب علم خود اپنی غلطی کی اصلاح کر سکتا ہے +

(۳) ممکن ہے کہ جواب بالکل غلط ہو۔ لیکن اُس میں غور و تامل کے آثار نمایاں ہوں۔ ایسے جوابوں کی داد دینی چاہئے۔ اُن پر تعجب کرنا۔ ہنسنا۔ یا خفا ہونا مناسب نہیں ہے۔ اگر اُستاد کو معلوم ہو جائے۔ کہ کسی طالب علم نے بہت سوچ سمجھ کر۔ دلی کوشش کے ساتھ جواب دیا ہے۔ تو وہ تحسین و آفرین کا مستحق ہے۔ نہ عقاب و نفرین کا مستوجب +

(۴) جو جواب فی الحقیقت صحیح اور عمدہ ہوں۔ اُنہی خاصکر تعریف کرنی چاہئے اُن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معلم ہر ایک صحیح جواب پر ”ٹھیک“ ”درست“ ”صحیح“ ”بجا“ ”بہت اچھا“ ”واہ وا“ ”شاباش“ وغیرہ الفاظ کہا کرے۔

اس میں محض تفسیح اوقات ہے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ اگر سوال خاصکر مشکل ہو اور اُسکا جواب عمدہ دیا جائے۔ اُسوقت شاباش کے ساتھ دل بڑھانا چاہئے (۵) برخلاف اسکے اگر صحیح جواب بھی اُسکل پتچا اور بے پروائی کے ساتھ دیا جائے تو اُس سے صرف درگزر کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ نہایت سختی کے ساتھ روکنا چاہئے۔ اگر اُستاد نے ایسے جوابوں پر تنبیہ نہ کی تو اُنہی تعداد در زبروز بڑھتی جائیگی +

۴۳۔ گھر پر کام بتانا۔ تعلیم کی دو طرزوں یعنی لکچر اور سوال و جواب کا پورا بیان ہو چکا۔ اب ہم گھر پر کام بتانے کی بابت ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات بھی داخل تعلیم ہے کہ طلبہ کو کچھ کام بتایا جائے۔ اور وہ خود اسکو پورا کریں۔ خواہ گھر پر۔ خواہ مدرسہ میں۔ اس میں ان ہدایتوں کو مد نظر رکھنا لازم ہے +

(۱) جو کام کرنے کے لئے دیا جائے۔ بہتر ہے کہ طلبہ اسکو گھر پر پورا کر کے لائیں البتہ دیہات میں۔ یا ایسے مقامات میں جہاں تعلیم کا شوق کم ہو۔ اور لڑکوں کے والدین جاہل اور بے پروا ہوں۔ یہ کام مدرسہ ہی میں پورا کرانا چاہئے (۲) بہت ادنیٰ جماعتوں میں ایسا کام نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ بہت چھوٹی عمر کے لڑکوں میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ کہ اسکو خود پورا کریں +

(۳) یہ کام طلبہ کی لیاقت کے موافق ہونا چاہئے۔ چھوٹے بچوں کا کام عملی قسم کا ہو۔ مثلاً کسی عبارت کا برزبان یا ذکرنا۔ یا ہجے یاد کرنے کی غرض سے نقل کرنا۔ حساب کے آسان سوال نکالنا۔ وغیرہ + ذی استعداد طلبہ کو عملی کام کے ساتھ عقلی کام بھی دینا چاہئے۔ مثلاً کتب درسیہ کا مطالعہ مضمون نگاری۔ سبق کا مطلب اپنے لفظوں میں ادا کرنا وغیرہ +

(۴) جو کام طلبہ کر کے لائیں۔ اُسکے دیکھنے کا وقت مقرر ہونا چاہئے۔ اور بہت احتیاط کے ساتھ ان میں اصلاح دینی چاہئے۔ اور اُس میں وقتاً فوقتاً انکا امتحان لینا چاہئے۔ خواہ پندرہ زبانی سوالات کے۔ خواہ کسی اور طرح سے +

## فصل نچم امتحان

۴۴۔ تعلیم اور امتحان۔ تعلیم میں دو باتیں شامل ہیں۔ تعلیم خاص اور

امتحانِ تعلیم کے ذریعہ سے معلم طلبہ کو علم سکھاتا ہے۔ اور امتحان کے ذریعہ سے مقررہ سبق اُنکو یاد کرتا ہے +

تعلیم اور امتحان کا اندازہ مناسب کے ساتھ کام میں لانا مدرسہ کی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بالکل امتحان ہی امتحان ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب تک طلبہ کو سیکھنے کا ڈھنگ نہ بتایا جائے۔ اُنکو علم حاصل کرنے کی عادت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ بات ہر قسم کے سبق سے متعلق ہے۔ خواہ عقلی ہو۔ خواہ علمی عقلی سبقوں میں جنکے یاد کرنے میں عقل درکار ہو۔ تعلیم کی ضرورت صاف ظاہر ہے لیکن سیدھے سادے اور آسان سے آسان عملی کاموں کے کرنے کا بھی ایک خاص طریقہ ہوا کرتا ہے جو بغیر بتائے خود بخود نہیں آسکتا +

اسی طرح محض تعلیم سے بھی کام نہیں چلتا۔ اگر ایسا ہوا تو تعلیم مؤثر اور ذہین نہ بنو گی۔ اور نہ طلبہ میں بذات خود کام کرنے اور محنت و اشتہا کرنے کی عادت پو گی۔ غرض تعلیم اور امتحان طلبہ کے مدرسہ میں داخل ہونے سے لیکر خارج ہونے تک برابر ہونے چاہئیں۔ البتہ اُنکی استعداد کے موافق اس اندازہ کو کم و بیش کرنا چاہئے۔ بہت ہی کم سن بچوں کے لئے تقریباً تعلیم ہی تعلیم مناسب ہے اور امتحان بہت ہی کم رفتہ رفتہ جس قدر اُنکی استعداد بڑھتی جائے۔ امتحان یا ڈ اور تعلیم نسبتہ کم ہونی چاہئے +

#### ۴۵۔ طریقہ امتحان۔ اچھا امتحان وہ ہے جس میں (۱) وقت کم

صرف ہو۔ (۲) اس بات کی پوری آزمائش ہو جائے۔ کہ کون سبق یاد کر کے لایا ہے۔ اور کون نہیں لایا۔ امتحان دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) انفرادی جسکو تقریری یا زبانی امتحان بھی کہتے ہیں۔ اس میں ہر ایک طالب علم کا امتحان، فرداً فرداً لیا جاتا ہے +

(۲) اجتماعی جسکو تحریری امتحان بھی کہتے ہیں۔ اس میں بذریعہ تحریری سوال کے تمام جماعت کا اکٹھا امتحان ہو جاتا ہے +

ظاہر ہے کہ زبانی امتحان میں وقت بہت صرف ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں ہو سکے تحریری امتحان لینا چاہئے۔ بیشک بعض مضامین کا تحریری امتحان ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً عبارت خوانی۔ جب تک کسی عبارت کو ہر ایک طالب علم سے پڑھوا کر سننا جائے۔ اس بات کا اطمینان نہیں ہو سکتا کہ جماعت اُسکو اچھی طرح پڑھ سکتی ہے۔ مگر اکثر مضامین کا امتحان اجتماعی طور پر ہو سکتا ہے مثلاً ہجے۔ املا۔ حساب کسی عبارت کا حفظ کرنا۔ ریاضی کی حدود و اصطلاحات جغرافیہ۔ تاریخی واقعات۔ انکا امتحان تحریری لینا چاہئے +

اب ہم تحریری امتحان کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ جس سے کامل امتحان اور کفایت وقت دونوں باتوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرض کرو۔ کہ کوئی مضمون سوال جواب کی قسم کا ہے۔ مثلاً اصطلاحات جغرافیہ۔ تو اُستاد کو اس طرح کا ردوالی کرنی چاہئے۔ ”طلبہ کو سیٹوں پر سوال لکھوائے۔ جسوقت جواب لکھ چکیں آپس میں سیٹیں بدلوائے۔ اور کسی طالب علم سے جواب باواز بلند پڑھوائے اگر ضرورت ہو تو غلطیوں کو درست کرائے۔ پھر ہر ایک طالب علم کو اسکی سیٹ واپس دلائے۔ جن کا جواب صحیح ہے۔ ان سے کہے کہ ہاتھ اٹھائیں۔ یا کھڑے ہو جائیں۔ اس طریقہ سے بہت تھوڑے وقت میں پورا امتحان ہو سکتا ہے

املا اور ہجول کے امتحان میں اس دھنگ کی ضرورت صاف ظاہر ہے۔ اگر اُستاد کسی مقررہ سبق کے کل مشکل الفاظ کے ہجے ہر ایک طالب علم سے زبانی سننا چاہے تو یہ بات کسی طرح ممکن نہیں۔ مدرسہ کا تمام وقت بھی شاید اس طلبہ کے لئے کافی نہ ہو۔ لیکن اگر ان لفظوں کو لکھوا کر سیٹیں بدلولی جائیں

اور طلبہ ہی سے غلطیوں پر نشان کرک کر واپس دلائی جائیں۔ تو نہایت ہی قلیل عرصہ میں کل جماعت کا پورا امتحان ہو سکتا ہے +

تحریری امتحانات - تعلیم کے ذہن نشین کرنے کے علاوہ طلبہ کو سرکاری یونیورسٹی کے امتحانوں کی تیاری میں بھی پوری مدد دیتے ہیں۔ کیونکہ طلبہ کو اس ڈھنگ سے واقفیت اور مختصر اور پُر مطلب جواب دینے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اتنی احتیاط ضروری ہے کہ طلبہ نقل بالکل نہ کریں اور نہ ایک دوسرے سے کوئی بات پوچھیں +

۴۶۔ غلطیوں کی اصلاح - تعلیم اور امتحان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ استاد ان غلطیوں کو صحیح نہ کرے۔ جو طلبہ نے سوالوں کے جواب دینے میں کی ہیں۔ ان غلطیوں سے استاد کو اپنے کام میں بڑی رہنمائی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ طالب علم کن اصول کو نہیں سمجھے اور کونسی باتیں اس کی یاد سے اُتر گئی ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی ضرورت کے موافق تعلیم کا ڈھنگ اختیار کر سکتا ہے +

مدرس میں غلطیوں کی اصلاح کا عام طریقہ یہ ہے کہ معلم اصلاح کو ایک مرتبہ یا تو خود کہہ دیتا ہے۔ یا غلطی کرنے والے طالب علم سے کہلا دیتا ہے۔ یہ طریقہ ہرگز سود مند اور قابل اطمینان نہیں ہے۔ اصلاح کا مقصد یہی نہیں ہے کہ غلطی کرنے والے ہی کی اصلاح ہو۔ بلکہ تمام جماعت کو فائدہ پہنچے۔ اسلئے ان باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے +

(۱) اصلاح کامل ہونی چاہئے۔ یعنی غلطی کو نہایت تاکید کے ساتھ اور زور دیکر بتایا جائے۔ تاکہ طلبہ دوبارہ ایسی غلطی نہ کریں +

(۲) غلطی کو صحیح کر کے کسی مرتبہ غلطی کرنے والے کی زبان سے کہلایا جائے

یا سلیٹ پر لکھایا جائے +

(۳) اگر ضرورت ہو تو نہ صرف دو چار طلبہ سے بلکہ کل جماعت سے مہارنی کے طور پر کہلایا جائے +

(۴) اصلاح کو تختہ سیاہ پر لکھ دینا ساری جماعت کے ذہن نشین کرنے کے لئے نہایت مفید ہے +

## فصل ششم تعلیم کا دل پر نقش کرنا

۴۷۔ اثر تعلیم۔ جب تک سبق طلبہ کے دل پر نقش نہ ہو جائے۔ یہ سمجھوڑ بھایا ہی نہیں گیا۔ ہر سبق کی آخری آزمائش یہی ہے کہ اُس کا کس قدر حصہ جماعت کے ذہن نشین ہوا۔ بعض اوقات اچھے اور لائق معلم بھی اس بات میں قاصر رہتے ہیں کہ سبق پر ہمیشہ کے لئے جماعت کا قبضہ ہو جائے۔ اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہوتی ہے کہ معلم خود لائق اور فہیم ہوتے ہیں۔ اور شاگردوں کی صرف قوت عقل ہی کو ترقی دینے کے درپے رہتے ہیں۔ قوت حافظہ کی ترقی کا خیال نہیں رکھتے۔ حالانکہ تعلیم کو مؤثر کرنے کی غرض سے ان دونوں قوتوں کی ترقی باندھا مناسب ہونی چاہئے۔ عقل ہی سے حافظہ کا کام لینا غلطی ہے۔ جن جماعتوں کو صرف عقلی تعلیم ہوتی ہے اگر اُن سے پچھلے سبق سنے جائیں۔ تو بہت ہی کم یاد رکھتا ہے +

۴۸۔ سبق کے ذہن نشین کرنے کا طریق۔ اگر معلم تعلیم کا اثر طلبہ کے ذہن میں قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تو اُس کو اُن تمام باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے جو ہم نے اس باب میں فن تعلیم کے متعلق لکھی ہیں۔ مثلاً

(۱) ایک وقت میں اتنی ہی باتیں بتائی جائیں جنکو طلبہ آسانی سے یاد رکھ سکیں۔

(دیکھو دفعہ ۵) +

(۲) جماعت کی استعداد کے موافق انکو صاف طور پر ترتیب دینا چاہئے (دیکھو دفعہ ۱۸)

(۳) سبق کو سمجھانے کے لئے اچھی تمثیلیں کام میں لائے (دیکھو دفعات ۱۵ و ۱۸)

(۴) معقول سوالات کے ذریعہ سے انکی توجہ کو قائم رکھنا۔ اور عقل کو تیز کرنا

چاہئے (دیکھو دفعات ۲۸ و ۳۹) +

(۵) اپنے خیالات کو صاف اور مطلب خیز عبارت میں ظاہر کرے (دیکھو

دفعات ۵۶ و ۵۸) +

(۶) معلم کا اپنا یرتیا و پسندیدہ اور موثر ہو (دیکھو دفعات ۵۹ و ۶۸)

علاوہ یں دو باتیں خاصکر قابل لحاظ ہیں جو تعلیم کو موثر کرنے کے لئے نہایت

ضروری ہیں +

(۱) توضیح یعنی مطالب سبق کو کافی وضاحت کے ساتھ صاف صاف اور

جدا جدا بیان کرنا۔ اور ہر بات کے سمجھانے میں کافی وقت دینا۔ بعض معلم

ان باتوں کی طرف اشارہ ہی کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ یا سرسری طور پر انکو بلا حلا

بیان کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے سبق کا ذہن نشین ہونا تو درکنار طلبہ کی طبیعت

حیران و پریشان ہو جاتی ہے +

(۲) تمرین یعنی سبق کا بار بار اعادہ کرنا۔ اور اس کے مضامین کا دہرانا۔

تمرین گویا بار بار طلبہ کا امتحان لینا ہے۔ اسکی دو صورتیں ہیں +

اول سبق کے ساتھ ساتھ۔ دوم سبق کے آخر میں۔ اثنائے سبق

میں اعادہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو باتیں سوالات کے ذریعہ سے طلبہ کو

سمجھائی گئی تھیں۔ یا معلم نے بتائی تھیں۔ پھر ان ہی باتوں کو دوسری طرح

سوال کر کے اخذ کرنا چاہئے۔ مگر اس بات کا لحاظ رہے۔ کہ یہ اعادہ بعینہ

اُن ہی الفاظ میں ہو۔ جس طرح اُستاد نے اول دفعہ بیان کیا تھا۔ اگر کسی امر پر زیادہ زور دینا مناسب ہو۔ تو کل جماعت کے مہارتی کے طور پر کہلانا چاہئے اختتام سبق پر جو اعادہ ہوتا ہے اُس میں سبق کی بڑی بڑی باتوں کو دہرایا جاتا ہے۔ اس اعادہ میں تختہ سیاہ نہایت کارآمد ہے۔ کیونکہ سبق کا خاکہ (بڑی بڑی باتیں) مختصر طور پر ترتیب وار بورڈ پر لکھ دینے سے طلبہ کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ انہی قوت حافظہ کو نہ صرف علی بلکہ منطقی طور پر بھی مدد ملی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبق اُنکے دلوں پر نقش ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ اُن کو زیادہ ضروری اور کم ضروری باتوں میں دعوے اور دلیل میں تمیز اور تمیز میں فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس مشق میں اُنکے قولے عقلیت پر زور پڑتا ہے۔

۴۹۔ آموختہ سننا۔ کچھ کئی سبقوں کے دہرانے کو اصطلاح میں آموختہ سننا کہتے ہیں۔ یہ بھی داخل تہرین ہے۔ جس طرح ایک سبق کا دہرانا ضروری ہے۔ اسی طرح کئی سبقوں کا دہرانا بھی کچھ کم ضروری نہیں ہے + عربی میں ایک مثل ہے ”العلم وحشی“ ”قید وہ بالتکرار“ یعنی علم ایک وحشی جانور ہے۔ اسکو تکرار اور فراولت کے ذریعہ سے قید کرو۔

۱۔ بعض معلم ہفتہ میں ایک روز آموختہ خوانی کے واسطے مقرر کرتے ہیں۔ اور تمام ہفتہ کی خواندگی اُس روز سن لیتے ہیں۔ ہر چہ جس کی خواندگی کو بھی اسی طرح دہراتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بہتر طریقہ یہ ہے۔ کہ نئے سبق کے علاوہ دو تین صفحے یا جماعت کی استعداد کے موافق کم و بیش طلبہ کو گھر پر یاد کرنے کے لئے ہر روز بتائے جائیں۔ اور اگلا سبق پڑھانے سے پہلے اُنکو سن لینا چاہئے۔ اگر جماعت کو اطمینان کے لائق یاد نہ نکلے۔ تو اگلے روز بھی وہی کام بتایا جائے۔ یہاں تک کہ اچھی طرح یاد ہو جائے۔ اُستاد کا یہ عذر کہ طلبہ کو پہلے تو یاد تھا پر اب بھول گئے ہیں۔ امتحان کے موقع پر قابل سماعت نہیں۔ کیونکہ اس کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ سبق کو ایک دفعہ سمجھا کر بڑھا دے۔ بلکہ بار بار تکرار اور اعادہ کے ذریعہ سے ہمیشہ کے واسطے ذہن میں رہی دے

اس کا مطلب یہ ہے کہ بار بار پوچھنے - بار بار پڑھنے - اور بار بار دہرانے سے علم حاصل ہوتا ہے - یہ تجربہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ کا پڑھنا دینا کافی نہیں ہوتا - اسلئے تعلیم اور بالخصوص ابتدائی تعلیم میں بڑی احتیاط کے ساتھ آموختہ سنا جائے - جب تک ایک سبق یاد نہ ہو جائے - دوسرا سبق ہرگز نہ پڑھاؤ - تعلیم کے کل وقت میں سے کم از کم نصف وقت سبقوں کے دہرانے اور آموختہ سننے میں صرف ہونا چاہئے +

ممکن ہے کہ کچھ سبقوں کا بار بار دہرانا طلبہ کو ناگوار اور وبال معلوم ہو مگر اس کا تدارک ہو سکتا ہے - اول تو بچوں کی طبیعت مصروفیت کی طرف ہتھ مائل ہوتی ہے - کہ وہ ایک ہی کام کو بار بار کرنے سے بھی نہیں تھکتے - بشرطیکہ معلم اُنکا ہمدرد اور شریک حال رہے - اور اُنکا دل بڑھاتا رہے + دوسرے یہ کہ معلم اعادہ کے ایسے مختلف طریقے نکال سکتا ہے - کہ ہر ایک طریقہ بالکل نیا ہی معلوم ہو - مثلاً زبانی دہرانے کے علاوہ +

(۱) تختہ سیاہ - اس مطلب کے واسطے بہت عمدہ کام دے سکتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ استاد کو اس قدر جہارت ہو کہ جن بڑی بڑی باتوں کا دہرانا مقصود ہو - اُنکو صفائی کے ساتھ اور جلدی سے بورڈ پر لکھ سکتا ہو +

(۲) طلبہ سے مدرسہ میں تحریری جواب لکھائے +

(۳) سبق کی بڑی بڑی باتیں اور اُسکا خلاصہ طلبہ گھر سے لکھ کر لائیں

(۴) طلبہ سے بعض اوقات باہمی بحث کرائی جائے - اور وہ استاد

کے سامنے ایک دوسرے سے سوال کریں - یہ طریقہ نہایت ہی دلچسپ اور دہرانے کے لئے ایک عمدہ مشق ہے +

۵۰۔ کفایت وقت - فن تعلیم میں وقت کی کفایت مقدم بات نہیں ہے

اول اول اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ جو کچھ پڑھایا جائے عمدہ اور پوری طرح پڑھایا جائے۔ خواہ کتنا ہی زیادہ وقت صرف ہو۔ اور کتنی ہی کم تعلیم ہو۔ جب کوئی کارگیر یا دستکار اپنے فن میں خوب مشاق اور ماہر ہوتا ہے۔ اور اپنے اوزاروں سے بے تکلف کام لینا سیکھ لیتا ہے۔ اس وقت اس کو خیال ہوتا ہے۔ کہ وقت مقررہ میں جتنا زیادہ کام ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ اسی طرح استاد کو فن تعلیم میں مشق اور مہارت بہم پہنچانے کے بعد تھوڑے وقت میں بہت سا کام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مدرسہ کا وقت ایک نہایت بیش قیمت چیز ہے۔ اس تھوڑے سے وقت میں اس قدر کام کرنا ہوتا ہے۔ کہ حد سے زیادہ کفایت کے ساتھ بھی پورا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معلم کو لازم ہے کہ ”جس طرح اور جہاں تک ہو سکے وقت کو بچائے۔“ یہ مطلب ذیل کی باتوں پر توجہ کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(۱) معلم ہر وقت طلبہ کو کام میں مشغول رکھے۔

(۲) طریقہ تعلیم ایسا اختیار کرے کہ تصنیع اوقات نہ ہو۔

(۳) اصل مطلب کو چھوڑ کر کہیں کا کہیں نہ چلا جائے۔ نہ تو غیر ضروری

باتوں کے بیان کرنے سے دیر لگائے۔ اور نہ غیر ضروری تمثیلیں دے۔

(۴) سبق کی باتوں کو حد سے زیادہ ہمیر پھیر اور تکرار کے ساتھ اخذ نہ کرے۔

(۵) سبق کو تیار کر کے پڑھائے۔ ناقص علم سے ہرگز تعلیم نہ دے۔

(۶) سوالات پوچھنے میں تامل نہ کرے۔

(۷) جوابات کے تصفیہ کرنے میں دیر نہ لگائے۔

پس ہر سبق کی کامیابی اور خوبی کی آزمائش ان دو باتوں پر منحصر ہے۔

اول۔ یہ دیکھنا کہ سبق کا کس قدر حصہ طلبہ کی سمجھ میں آ گیا ہے۔ جیسا پہلے

بیان کیا گیا ہے +

دوم یہ کہ وقت مقرر دیں سے کتنا حصہ اچھی تعلیم میں صرف ہوا +

## فصل ہفتم - صفاتِ معلم

۱۵۔ **لیاقتِ معلم**۔ اب ہم اُن صفتوں کا ذکر کریں گے جن کا معلم میں پایا جانا ضروری ہے۔ چونکہ معلم کو طلبہ کی جسمانی - عقلی - اور اخلاقی تربیت کرنی ہوتی ہے اس واسطے اس میں بھی تین قسم کی لیاقت کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی لیاقتِ جسمانی - لیاقتِ عقلی - لیاقتِ اخلاقی۔ ان تینوں لیاقتوں کے لئے جو باتیں درکار ہیں اُن کا حال آگے لکھا جاتا ہے +

### اول۔ لیاقتِ جسمانی

۱۶۔ **لیاقتِ جسمانی**۔ اس میں یہ باتیں شامل ہیں (۱) عمدہ صحت - (۲) جسمانی عیوب سے بری ہونا (۳) عمدہ لہجہ (۴) آنکھ اور کان کا تیز ہونا (۱) عمدہ صحت معلم کا تندرست اور صحیح المزاج ہونا نہایت ضروری ہے جو شخص اکثر بیمار رہے وہ معلمی کے لائق نہیں ایسے شخص سے تعلیم میں کئی طرح کے نقصان متصور ہیں +

۱۔ بیمار کا مزاج چڑچڑا ہوا جاتا ہے۔ اور اس کی طبیعت میں بے لاشیت اور زندہ دلی جو بچوں کی تعلیم کے لئے لازمی ہے۔ نہیں رہتی۔  
 ب بیمار آدمی اکثر اپنے کام سے غیر حاضر رہیگا۔ اور تعلیم میں حرج واقع ہوگا  
 ج۔ قطع نظر نقصانِ تعلیم کے۔ مدرسہ کی رونق میں بھی فرق پڑ جائیگا۔ اگر تعلیم خاطر خواہ نہ ہوئی۔ تو بچوں کے والدین اُن کو اٹھا کر دوسرے مدرسوں

میں داخل کر دینگے۔ پس معلم کو لازم ہے کہ اصول صحت سے واقف ہو کر اپنی صحت کا ہمیشہ لحاظ رکھے +

۲) جب مانی عیوب سے بری ہونا۔ اس سے مراد ہے صحیح الاعضا ہونا یہ صفت اسوجہ سے ضروری ہے کہ معلم کو اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں کوئی مزاحمت نہ ہو۔ اور طلبہ پر اُسکا عربٹ داب قائم رہے +

(۳) عمدہ لہجہ۔ اس میں دو باتیں شامل ہیں (۱) صاف گفتگو (۲) مناسب آواز ۱۔ صاف گفتگو۔ معلم کے کلام میں کسی قسم کی لکنت یا جھجک نہیں ہونی چاہئے۔ اُسکو نہ بہت جلدی بولنا چاہئے۔ نہ بہت آہستہ اُس کی ضرورت دو وجہ سے ہے اول تو گفتگو کی صفائی تعلیم کے ذہن نشین کرنے میں بہت موثر ہوتی ہے دوم طلبہ معلم کی طرز گفتگو کی نقل کیا کرتے ہیں اگر اُس کی آواز صاف نہ ہوئی تو اُن کا لہجہ بھی خراب ہو جائیگا +

ج۔ مناسب آواز اگر معلم زور کی آواز سے بولے گا تو درسہ میں شور و غل برپا رہیگا۔ اگر نیچی آواز سے بولے گا تو کل طلبہ اُسکی آواز کو سن نہیں سکیں گے۔ اسکے علاوہ اُنکو بھی آہستہ بولنے کی عادت پڑ جائیگی پس معلم کی آواز نہ بہت اونچی ہو نہ بہت نیچی ہو بلکہ ایسی ہو کہ تمام عبادت آسانی کے ساتھ سن سکے اور سمجھ سکے +

(۴) آئینہ اور کان کا تیز ہونا۔ یہ وصف خاصکر ضروری ہے تاکہ طلبہ کی بے ضابطہ حرکتوں کو۔ فوراً مٹا دے اور اُن کو اپنے قابو میں رکھ سکے

۵) اگر معلم ورزش یعنی جمناسٹک قوا عمدہ وغیرہ سے واقف ہو تو نہایت مناسبت اول تو اُسکی اپنی صحت قائم رہے گی۔ دوسرے طلبہ کی صحت کو بھی قائم رکھ سکے گا +

بعض لڑکوں کو تعلیم کے وقت منہ چڑانے اُستاد کی نقل اُتارنے یا چپکے چپکے ایک دوسرے سے باتیں کرنیکی عادت ہوتی ہے جس سے علاوہ حج تعلیم کے طلبہ کا اخلاق بگڑتا ہے اسلئے اُستاد کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے اگرچہ یہ وصف قدرتی عطیہ ہے تاہم خبرداری کے ساتھ توجہ کی جائے تو ہر شخص اُسکو حاصل کر سکتا ہے \*

## دوم۔ لیاقتِ عقلی

۵۳۔ لیاقتِ عقلی اس میں یہ باتیں داخل ہیں (۱) کافی علم (۲) سبق کی تیاری (۳) مطالعہ کا شوق (۴) سلیقہ تعلیم (۵) سیاست (۶) صحت بیان (۷) زبان پر قدرت (۸) سلاست زبان۔ ان میں سے پہلے تین باتوں کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ باقی پانچ چیزوں کا حال ہم اب بیان کریں گے۔

۵۴۔ سلیقہ تعلیم۔ اسکے یہی ہیں کہ معلم پڑھانے کا ڈھنگ اچھی طرح جانتا ہو اور اپنی لیاقت سے بلا تکلف کام لے سکتا ہو۔ زمانہ سابق میں عام خیال تھا کہ ہر شخص جبکو تھوڑا بہت علم ہے۔ معلم بن سکتا ہے۔ مگر اب یہ بات غلط ثابت ہوئی ہے (مضمون سبق کے علم اور عام واقفیت کے علاوہ طریقہ تعلیم کی واقفیت بھی ضروری ہے۔ پس تعلیم و تربیت کے جو اصول اور ہدایتیں اس کتاب میں بیان ہوئی ہیں معلم کو اپنی پورا پورا کاربند ہونا چاہئے

۵۵۔ سیاست۔ اس سے ہماری مراد وہ لیاقت ہے۔ جسکے ذریعہ سے معلم بچوں کو اپنے قابو میں رکھتا ہے یہ بات ضرور ہے کہ اُستاد کا رغبت تمام جماعت پر ہو یہ لیاقت اس طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔ جیسا بعض اوقات غلطی سے خیال کیا جاتا ہے کہ معلم چیخ کر بولے۔ یا خونخوار اور ڈراؤنی شکل بناے بیٹھا رہے یا بے قرار رہ کر گفتگو کرے۔ یا بید ہاتھ میں لیکر لڑکوں کو مارتا بیٹھا رہے بلکہ

یہ ایسی طاقت ہے جس کا اثر طلبہ کے دلوں ہی پر ہوتا ہے۔ اور ایک معلم کا دل سب کے دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے +

معلم کی طرز سے طلبہ پر یہ بات ظاہر ہونی چاہئے۔ کہ وہ اُنکو شوق دلانے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اُنکی منت نہیں کرتا۔ بلکہ جبراً توجہ کرا سکتا ہے یہ بھی خیال رہے کہ حکومت کا حاصل ہونا۔ اور بات اور نمود کے طور پر پیشہ اُسکا جتنا نا اور بات ہے۔ اگر اُسکو حکومت حاصل ہے تو اُسکا اثر ظاہر ہونے بغیر نہیں رہیگا۔ بار بار اُسکا ذکر کرنے سے اُسکا اثر جاتا رہتا ہے +

۵۶۔ صحت بیان۔ معلم کی گفتگو محض تعلیم کا ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ طلبہ کے واسطے ایک نمونہ بھی ہے۔ جسکی تقلید سے اُنکی طرز گفتگو پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

غرض اسکی کامیابی بہت کچھ اُسکے کلام پر منحصر ہے۔ اسوجہ سے معلم میں صحت بیانی کا ملکہ ضروری ہے۔ یعنی اسکے کلام میں یہ تین وصف ہونے چاہئیں (۱) صحت تلفظ۔ یعنی الفاظ کا تلفظ ٹھیک ہو۔ نہ صرف تعلیم کے

وقت بلکہ ہر موقع پر۔ کیونکہ طلبہ صحیح تلفظ استاد کی ہر وقت کی بول چال سے سیکھا کرتے ہیں۔ نہ کہ کسی خاص وقت صحیح تلفظ سنانے سے +

(۲) گفتگو کا صرف ونحو کے مطابق ہونا۔ اسکی ضرورت اسوجہ سے ہے۔ کہ طلبہ گریمر کے ذریعہ سے صحیح بولنا نہیں سیکھتے۔ بلکہ استاد ہی کی تقلید سے سیکھتے ہیں +

(۳) گفتگو کا با محاورہ ہونا۔ عامیانہ محاورات سے معلم کو ہمیشہ بچنا چاہئے تاکہ طلبہ کو عمدہ محاورات کی عادت ہو +

۵۷۔ زبان پر قدرت۔ یہ بات بھی معلم کی کامیابی کا جزو اعظم ہے کہ اُسکو اپنی زبان پر قدرت حاصل ہو۔ یعنی ایک مضمون کو مختلف پیرایوں

میں بیان کر سکے۔ اسکی ضرورت اسوجہ سے ہے کہ جماعت میں مختلف لیاتوں کے طالب علم ہوتے ہیں۔ اور سبق کا مضمون اُنکے ذہن نشین کرنے کی غرض سے طرز کلام کو بدلنا۔ اور ایک بات کو کئی طرح بیان کرنا پڑتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے۔ کہ معلم خواہ مخواہ بلا ضرورت ہر ایک بات کو کئی کئی طرح سمجھائے۔ یوں تو اوپر بھی زیادہ پیچیدگی واقع ہوگی۔ اور ایک طرح بھی طلبہ کی سمجھ میں نہیں آئیگا۔

ممکن ہے کہ بعض اوقات باوجود پوری پوری تشریح کے پھر بھی طالب علم کسی بات کو نہ سمجھیں۔ ایسے موقع پر بار بار بیان کرنا فضول ہے۔ بلکہ تھوڑی دیر صبر کرنا چاہئے۔ تاکہ طلبہ بطور خود اس پر غور کریں۔ اس مہلت کے بعد اُسکو دوبارہ بیان کرنا چاہئے۔

۵۸۔ سلاست زبان۔ معلم کی گفتگو سلیس اور آسان ہونی چاہئے۔ تاکہ کل جماعت اسکے بیان کو سمجھ سکے۔ سلاست زبان سے یہ مراد نہیں ہے کہ معلم کے موعظ سے کوئی لفظ بھی ایسا نہ نکلے۔ جسکی پہلے تشریح نہ ہو چکی ہو اول تو یہ بات محض ناممکن ہے۔ دوسرے زبان کے حاصل کرنے میں یہ ایک بڑی روک ہے۔ کیونکہ بچے الفاظ کے مطالعہ سے زبان کو حاصل نہیں کرتے بلکہ الفاظ کا علم زبان کی واقفیت سے حاصل کرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ زبان کے سیکھنے کا عمل تخیلی ہوتا ہے۔ نہ کہ ترکیبی۔ پس یہ قاعدہ کہ کوئی نیا لفظ کام میں نہ لایا جائے۔ محض بے بنیاد ہے۔

معلم کی سلاست زبان آسان آسان اور معمولی لفظوں کے استعمال پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ جملوں کی سہل ترکیب اور ربط پر منحصر ہے۔ مشکل الفاظ اور استعارات سے اسقدر پرہیز کرنا نہیں چاہئے۔ جسقدر ان مشکل اور

فاضلانہ خیالات سے جیسے بچوں کی طبیعت کو کوئی تعلق نہیں۔ اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ تعلیم کے وقت جب قدر الفاظ یاد آئیں۔ اُن سب کو معلم بے تکلف کام میں لائے۔ کیونکہ یہ بات سخت قابلِ اعتراض ہے + اسکا حاصل یہ ہے۔ کہ اگر مضمون طلبہ کی فہم سے باہر نہ ہو۔ اور جملوں کی ساخت اُنکی استعداد کے موافق ہو تو بڑے بڑے لفظوں سے بچنے کے لئے اپنے طرز بیان سے انحراف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ تمام جملہ کا مطلب سمجھ لینے سے خاص الفاظ کا مطلب بھی سمجھ میں آجائیگا۔ البتہ جو الفاظ خاصہ مشکل آجائیں۔ اُنکی تشریح کر دینی بھی ضروری ہے +

### سوم۔ لیاقتِ اخلاقی

۵۹۔ لیاقتِ اخلاقی۔ معلم کے قول کی نسبت اُسکے فعل کا اثر طلبہ پر زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اخلاق عموماً اپنے سے بڑوں کی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اگر اُستاد یہ چاہتا ہے کہ اُسکے شاگرد ناخالصہ اطوار اور نامناسب حرکات پر ہنر کریں تو اُسکو لازم ہے کہ اُنکے سامنے خود اچھا نمونہ بن کر دکھائے۔ اگر ابتدائی عمر میں اخلاق ردِ ذلیلہ بچوں کی طبیعت میں بیٹھ گئے۔ تو بعد میں اُن کا استیصال تقریباً محال ہو جاتا ہے۔ اسلئے معلم میں مفصلہ ذیل اخلاقی صفتوں کا پایا جانا ضروری ہے +

- (۱) صفائی اور ستھرائی (۲) پرہیزگاری (۳) محنت و مستعدی۔
  - (۴) استقلال (۵) خوش فرائی (۶) مہربانی و ہمدردی (۷) عدل۔
  - (۸) راستی (۹) ایمان داری +
- ۶۰۔ صفائی اور ستھرائی۔ صفائی کی غفلت سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔

کیونکہ کثافت ہی بیماری کی جڑ ہے۔ قطع نظر اسکے میلا آدمی لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔ بچے بھی ایسے آدمی کی کچھ قدر و منزلت نہیں کرتے۔ اسلئے معلم کا بدن۔ لباس۔ مکان ہمیشہ صاف رہنا چاہئے۔ تاکہ طلبہ میں بھی صفائی اور ستھرائی کی عادت پیدا ہو +

بعض دہائی معلم عین تعلیم کے وقت مدرسہ میں بیٹھ کے حقہ پیتے ہیں۔ اس طرح یہ کہ حقہ بھی برسوں کے گندے اور مٹے ہوئے۔ پان۔ تمباکو۔ حقہ۔ چرٹ کے استعمال سے روپیہ بھی ضائع ہوتا ہے۔ اور وقت بھی۔ مدرسہ کو ان چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کم از کم مدرسہ کے وقت میں کبھی انکا استعمال نہ کرے۔ ۶۱۔ پرہیزگاری۔ استاد کو مسکرات کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اس جسمانی صحت زائل ہوتی ہے۔ عقل میں فتور آتا ہے۔ لوگ عموماً شرابخواری سے متنفر رہتے ہیں۔ اگرچہ یورپ کی قوموں میں کم و بیش اس کا رواج رہا ہے۔ مگر آجکل اکثر ملکوں میں نوع انسان کے خیر خواہ سرگرمی کے ساتھ اسکے انسداد کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ پس استاد کو لازم ہے کہ ایسی چیزوں سے قطعی اجتناب کرے تاکہ وہ اپنے شاگردوں کے لئے ایک عمدہ مثال ہو +

۶۲۔ محنت و مستعدی۔ محنت سے مراد ہے اپنا کام سعی و کوشش کے ساتھ انجام دینا۔ اور مستعدی سے مراد ہے گرجموشی اور ذوق و شوق ظاہر کرنا +

سارے کام محنت ہی سے چلتے ہیں۔ اگر استاد ہی محنت سے جی چرائے گا تو شاگردوں سے اسکی توقع رکھنی فضول ہے۔ ابتدائی تعلیم بالخصوص زیادہ تر محنت طلب ہوتی ہے۔ کیونکہ طلبہ کی آئندہ کی بہبودی اور لیاقت کا دارو + اسی پر منحصر ہے۔ محنتی معلم اکثر اوقات بڑے بڑے لائق و فائق استاد بن

سے جو کم محنت ہیں اپنی محنت ہی کی وجہ سے سبقت لیجاتے اور بہتر نتائج دکھاتے ہیں +

محنت کچے ساتھ مستعدی بھی ضروری ہے۔ اس وصف کے ذریعہ سے تعلیم میں ایک جوش یا زور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بچوں کی عقلی اور اخلاقی عادات پر اسکا بڑا اثر پڑتا ہے +

۶۳۔ استقلال۔ اسکے معنی ہیں کسی کام میں دل لگا کر متواتر کوشش کرتے رہنا۔ اسی کو ثابت قیامی کہتے ہیں۔ بغیر استقلال کے محنت کا پورا ثمرہ نہیں مل سکتا۔ اگر تعلیم کا نتیجہ جلد نظر نہ آئے۔ تو گھبرانا یا یاس ہونا نہیں چاہئے کسان جب بیچ بوتا ہے۔ تو ایک عرصہ تک فصل بچتے ہوئے اور بھیل لگنے کا نظر رہتا ہے۔ معلم کو بھی لازم ہے۔ کہ طلبہ کے دلوں میں علم کی تخم ریزی کرے۔ اور صبر و تحمل سے اسکے بھیل کا متوقع رہے۔ اسکا اپنی تعلیم کا ثمرہ وقت مناسب ضرور ملیگا +

۶۴۔ خوش مزاجی۔ خوش مزاجی کا ظہور ان دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول معلم تعلیم کے وقت ہر دم بشاش رہے۔ دوم کند ذہن اور نیرشوخ طلبہ تحمل کے ساتھ گفتگو کرے۔ ان صفتوں کی بدولت طلبہ معلم پر اعتماد کرتے ہیں۔ اپنے کام سے خوش رہتے ہیں۔ کام کو عمدہ طور پر کرنے کی خواہش ان کے دلوں میں آپ بے آپ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسی خواہش کا پیدا ہونا کامیابی کے ساتھ تعلیم دینے کے لئے لازمی ہے +

برعکس اسکے اگر معلم زودرنج اور ترش مزاج ہوگا تو طلبہ اس سے خوف کرینگے۔ محنت سے دل برداشتہ ہو جائیں گے۔ جو کام آسان اور ان کی استعداد کے موافق ہوگا۔ اسکو بھی نہیں کر سکیں گے +

معلم میں زندہ دلی یا شگفتہ طبعی اسوجہ سے ضروری ہے کہ جب تک ساتھ اُسکو ہر وقت کام پڑتا ہے۔ اُنکو قدرت نے خوش دل بنایا ہے۔ زندہ دلی سے ہاتھ پاؤں کی پھرتی اور بدن کی چستی مراد نہیں ہے۔ بلکہ طبعی زندہ دلی مراد ہے۔ اگرچہ کچھ شک نہیں کہ اُسکے واسطے بھی کی قدر صبا فی قوت کا پایا جانا ضروری ہے +

۶۵۔ مہربانی و ہمدردی۔ بچے اُستاد کی آواز اُسکے چہرہ اور اُسکے طرز کلام کو فوراً تاڑ لیتے ہیں۔ اگر وہ مہربانی اور محبت سے اُنکے ساتھ پیش آئے۔ تو بدل و جان اُسکی فرمانبرداری کریں گے۔ سختی اور سرد مہری برتی جائے۔ تو حکم ماننے ہیں۔ مگر دل میں خوش نہیں رہتے + عموماً دیسی مکاتیب کے مدرسوں اور بعض سرکاری مدارس کے معلموں میں یہ عادت پائی جاتی ہے۔ کہ چھڑی یا بید ہر وقت ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ خونخوار صورت بنائے بیٹھے رہتے ہیں۔ بات بات پر بچوں کو دھمکاتے اور بے رحمی سے مارتے ہیں۔ ایسا برتاؤ بہت شایستہ اُصول تعلیم کے بالکل برخلاف اور معلم کی شان سے نہایت بعید ہے مہربانی کے ساتھ ہمدردی کی صفت بھی معلم میں ہونی چاہئے۔ اُسکے معنی ہیں طلبہ کے خیالات اور جذبات کی تہ کو پہنچنا۔ اور اُنکی مشکلات اور ضروریات کو مد نظر رکھنا۔ اس صفت کی بدولت معلم طلبہ کی استعداد کے موافق طرح طرح کی تدبیریں نکال کر اُنکے دلوں میں تحصیل علم کا شوق پیدا کر دیتا ہے +

۶۶۔ عدل۔ اُسکے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک کو اُسکا حق پہنچایا جائے۔ اور کسی کی رُورعایت نہ کی جائے۔ اُستاد کا برتاؤ شاگردوں کے ساتھ ایسا ہونا چاہئے کہ کسی طالب علم کو ہسبات کا خیال تک پیدا نہ ہو کہ اُستاد خاص اُسکے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے۔ یا فلاں فلاں طالب علموں کی رعایت کرتا ہے۔

جسبہ کوئی تکرار یا قسار جماعت میں ہو۔ تو انصاف کو ہاتھ سے نہ دے۔ امیر غریب۔ ہوشیار۔ کمزور۔ سب کو ایک نظر دیکھے۔ اگر اُستاد جادو عدل سے منحرف ہوگا تو اُسکے شاگردوں میں خود سری اور نافرمانی کی عادت پیدا ہو جائیگی۔

۶۷۔ راستی۔ راستی تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ طلبہ کی اخلاقی حالت کو ترقی دینے کے لئے غالباً یہی صفت سب سے زیادہ ضروری ہے۔ معلم کو ایسا راست باز اور صادق القول ہونا چاہئے۔ کہ طلبہ کو اُسکی بات پر پورا اعتماد ہو۔ اور اُسکی تقلید سے وہ خود بھی ایسا بننے کی کوشش کریں۔

۶۸۔ ایمان داری۔ یعنی خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اپنے کار منصبی کو با حسن و جوہ انجام دینا۔ یہ صفت فی الحقیقت معلم کے کل فرائض پر حاوی ہے۔ روزمرہ گھر سے سبق تیار کر کے لانا۔ بلاناغہ عین وقت پر درسہ میں آنا۔ مدرسہ کا تمام وقت اپنے شاگردوں کو دینا۔ اُس وقت میں بچ کا کوئی کام نہ کرنا۔ اور نہ دوسرے آدمیوں سے باتیں کرنا۔ تمام جماعت کی نہ صرف چند ہوشیار طلبہ کی ترقی تعلیم کا خیال رکھنا وغیرہ۔ یہ سب باتیں اسی صفت کا لازمی نتیجہ ہیں۔

## خاتمہ

۶۹۔ قدرتی لیاقتیں۔ تعلیم کے عام اصول بیان ہو چکے۔ یہ سب باتیں بچوں کی طبیعت اور اُنکے مزاج کی ساخت کا لحاظ کر کے لکھی گئی ہیں جو معلم اُنکو غور سے پڑھ کر عمل کرے گا۔ اپنے مقصد میں جلد تر کامیاب ہوگا۔ اور اپنے ذاتی تجربہ سے عمدہ اور مفید باتوں کا ذخیرہ جمع کر سکیگا۔

قدرت نے مختلف آدمیوں کو مختلف قابلیتیں۔ مختلف اندازہ کے موفقی عطا کی ہیں۔ اور ہر شخص کو کسی خاص شے کے ساتھ طبعی مناسبت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض آدمی زیادہ تر معلمی کے لائق اور موزوں ہوتے ہیں۔ اور

بعض کم تر۔ جس شخص کو فن تعلیم سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اس میں یہ دو وصف قدرۃ نمایاں طور پر نظر آیا کرتے ہیں۔ ایک تو بچوں کے ساتھ ہمدردی۔ دوسرے اسکے مزاج میں استعدادی کا پایا جانا۔ جس معلم میں یہ لیاقتیں موجود نہ ہوں گی۔ اسکو اپنی محنت کا ثمرہ اوسط درجہ کا ملے گا۔ اور اسی پر اسکو فضاہت کرنی چاہئے۔ مگر جو استاد اپنے شاگردوں کی ترقی اور بہبودی کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ محنت اور استقلال سے ان لیاقتوں کو بڑھا سکتے ہیں +

۷۔ تعلیم کے گز۔ اب ہم تمام فن تعلیم کا لب لباب چند مختصر لفظوں میں بیان کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ ہر معلم کو یہ باتیں بطور گزر کے پیش نظر رکھنی چاہئیں

(۱) اپنی لیاقت کو ہمیشہ مطالعہ کے ذریعہ سے ترقی دیتا رہے +

(۲) بچوں کی تعلیم میں اپنے تئیں بالکل بچہ بنا دے۔ اور جیسا مزاج اُن کا ہو اُسی کے موافق تعلیم دے +

(۳) تمام شاگردوں کی بہبودی کا تہ دل سے خیال رکھے +

(۴) بد شوق طلبہ کو تعلیم دینا گویا بے بھوک کھانا کھلانا ہے۔ اس لئے کہ اول ان میں اشتہاے شوق پیدا کرے۔ بعد ازاں عقلی غذا بہم پہنچائے +

(۵) معلم کی کامیابی کا معیار یہ نہیں ہے کہ چند ہوشیار طالب علم امتحان میں بہت عمدہ نمبر حاصل کر لیں۔ بلکہ یہ ہے کہ اکثر طلبہ قابل اطمینان امتحان دیں +

(۶) پس اچھا معلم وہ ہے جو متوسط درجہ کے طلبہ کی لیاقت بڑھائے۔ مگر اعلیٰ درجہ کا معلم اسکو کہیں گے جو اوسط سے گرے ہوؤں کو جماعت کے ساتھ چلائے۔

ایسے ہی طالب علموں کی طرف اسکو توجہ کرنی چاہئے۔ اور کفایت شعاری کا یہ اصول کہ درپیسوں کی خبر داری کرو۔ روپے اپنی حفاظت آپ کر لیں گے،

تعلیم میں بھی مد نظر رکھنا چاہئے + فقط

ترجمہ رائے شمس العلماء خان بہادر جناب  
مفتی محمد ذکاء اللہ صاحب فیلو الہ آباد  
یونیورسٹی سابق پروفیسر اور ٹیل سائنس  
اینڈ لٹریچر میو رکالج الہ آباد

---

مولوی غلام الحسنین کی تصنیف مسمیٰ بہ دستور المعلمین جس میں  
فنِ تعلیم کا بیان ہے۔ اور جو اس مضمون کی معتبر انگریزی اور اردو کتب  
اور مصنف کے وسیع ذاتی تجربہ کی بنا پر تالیف کی گئی ہے۔ اُس سے  
اسکا شوق علمی ثابت ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اس مضمون پر مجھ کو اس  
سے بہتر کتاب دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا +

---

# اعلان



یہ کتاب ایک حصہ دستور المعلمین کا ہے۔ اور نہایت ضروری چیز ہے۔ جو عموماً سب معلموں اور خاص کر مشیتہ تعلیم کے مدرسین کے لئے مفید ہے۔ مسودہ اس کا عالی جناب نواب عماد الدولہ عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی۔ بی۔ اے ڈائریکٹر مشیتہ تعلیم ممالک محروسہ سرکار نظام کی خدمت میں پیش ہوا تھا جناب موصوف نے اُسکو بہت پسند فرمایا تھا +

قیمت میرے کہنے سے مصنف صاحب نے کم رکھی ہے۔ یعنی ۶ کدراؤں ۸ حالی ہے۔ اس حصہ کی قدر ہوئی تو دوسرے حصے بھی جلد شائع ہونگے +

غلام الثقلین

بے۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی۔

انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ شریف



آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار  
 لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی  
 صورت میں ایک آنہ یومیہ ذیرانہ لیا جائے گا۔

---

۳۳۳۳۳۳  
 ۶۶۶۶۶۶  
 ۲۲۲۲۲۲  
 ۱۱۱۱۱۱  
 ۵۵۵۵۵۵  
 ۳۳۳۳۳۳  
 ۷۷۷۷۷۷

[illegible]







